اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ

اَبرارِ خطابت

مصنف

(فاضِل علومِ عربیّہ)

قاری ابرار احمد قادری

علی برادران تاجران کتب

ارشد مارکیٹ، جھنگ بازار، فیصل آباد

0345-7755946, 0346-6146660

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

ابرارِ خطابات

حصّہ اوّل

مصنف

قاری ابرار احمد قادری

(فاضلِ علومِ عربیّہ)

علی برادران تاجران کتب

ارشد مارکیٹ، جھنگ بازار، فیصل آباد

0345-7755946, 0346-6146660

نام کتاب .... اِبرارِ خطابت (حصہ اوّل)

مصنف .... قاری ابرار احمد قادری

کتابت .... عبدالعزیز خوشنویس، فیصل آباد

طباعت .... سعید پریس فیصل آباد

طابع .... محمد ندیم قادری۔ محمد اویس۔

ناشر .... علی برادران ارشد مارکیٹ فیصل آباد

پروف ریڈنگ .... حاجی نذیر احمد نعمانی

تعداد صفحات 440

قیمت .... 160 روپے

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ قادریہ رضویہ، جامع مسجد انوار لاثانی گلی نمبر 7 روضہ پارک منصور آباد فیصل آباد

☆ مکتبہ نوریہ رضویہ، گلبرگ اے، فیصل آباد۔ فون: 2626046

☆ چشتی کتب خانہ، ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد

☆ نوری بک ڈپو امین پور بازار فیصل آباد، فون: 2623948

☆ شبیر برادرز، اردو بازار لاہور۔ فون: 042-7246006

تقریظ

از: خطیب، مورخ و محقق، شاعرِ اسلام حضرت علامہ الحاج صائم چشتی مدظلہ العالی

عزیزم قاری ابرار احمد قادری فاضل جامعہ رضویہ اس لحاظ سے بھی خوش نصیب ہیں کہ آستانہ عالیہ قادریہ ڈھوڈا شریف گجرات سے وابستہ ہیں خواجہ خواجگان پیرِ طریقت عالی مرتبت فیض درجت حضرت پیر محمد شفیع شاہ صاحب قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میرے نہایت ہی واجب الاحترام کرمفرماؤں میں سے تھے۔ آپ کی ذاتِ اقدس جہاں ظاہری اور باطنی علوم کا سرچشمہ تھی۔ وہاں عطا و سخا، فیوض و برکات، مہر و مروّت اور خُلق و محبت کا ایک ایسا پیکر تھی جسے دیکھ کر سلف صالحین یاد آجاتے۔

یہ آستانۂ اقدس سے وابستگی اور حضور قبلہ پیر حیدر شاہ صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ کا فیضانِ نظر و کرم ہے۔ جو قاری صاحب کو مواعظ و تذکیر پر مبنی ہے۔ ایک ضخیم کتاب تصنیف کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تقریباً ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل پہلی جلد آپ کے سامنے ہے اور یقیناً دوسری جلد بھی تقریباً اتنی ہی ضخامت پر مشتمل ہو گی۔

عزیزم ابرار احمد قادری صاحب ایک عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوش آواز مقرر بھی ہیں۔ اس لیئے انہیں فنِ خطابت پر بھی دسترس حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے واعظین و خطباء حضرات کے مزاج اور ضرورت کے

مطابق مواعظ کو ترتیب دیا ہے۔ مولانا ابرار احمد قادری صاحب نے اپنی کتاب میں بیان کردہ واقعات و قصص کو حوالوں سے مزیّن کر کے خطیب حضرات کے لئے بھی آسانی پیدا کر دی ہے اور کتاب کو ثقاہت آشنا کر دیا ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے صدقے سے مصنّف کو اپنی دینی دنیوی نعمتوں سے مالامال کرے اور اس کی تصنیف کو اپنی بارگاہِ اقدس میں مقبول و منظور فرمائے۔

آمین بجاہ سیّد المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم

صائم چشتی

10/1/93

اِنتساب

آقائے نامدار، سردارِ کائنات، فخرِ موجودات، مبدا
کائنات، تاجدارِ عرب و عجم، فخرِ آدم و بنی آدم،
شفیع المذنبین، انیس الغریبین، حضور رحمۃ للعالمین
ھادیٔ کُل، مولائے کُل، دانائے سُبل، ختم الرسل
آئینۂ جمالِ کبریا، احمد مجتبیٰ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلّم کی اُولوالعزم عظمتوں کے نام!

نذرِ عقیدت

بپیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، واقفِ رموزِ حقیقت
مبلغ عالمِ اسلام حضرت علامہ الحافظ ——
پیر محمد حیدر شاہ صاحب (مدظلہ العالی)
سجادہ نشین آستانہ عالیہ ڈھوڈا شریف (گجرات)

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

گدائے دربارِ عالیہ ڈھوڈا شریف
احقر
قاری ابرار احمد قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

عرضِ مصنّف

اس خدائے بزرگ و برتر جلّ و علا کا لاتعداد مرتبہ شکر ہے۔
جس نے مجھ جیسے کم علم اور کم فہم کو یہ سعادت بخشی۔ کہ اپنی حمد و ثناء اور اپنے
پیارے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اپنے محبوب کے محبوبوں کی شانِ
اقدس میں لب کشائی کی توفیق عنایت فرمائی۔ عرصۂ دراز سے دل میں ایک
ذوق ایک جذبہ اور ولولہ تھا۔ کہ میں ایک بندۂ ناچیز بھی اس بارگاہِ صمدیت
میں کچھ نہ کچھ اپنا حقیرانہ نذرانہ عقیدت پیش کروں۔ یہ سمجھ کر نہیں۔ کہ میں
کوئی بہت بڑا فاضل یا مصنّف ہوں۔ بلکہ اس خیال سے کہ شاید یہی چند
الفاظ بارگاہ الوہیت میں قبول ہو جائیں اور میری نجات کا سبب بن
جائے ورنہ مجھ جیسے ایک طفلِ مکتب کی کیا حیثیت کہ اس عظیم بحرِ بیکنار
میں غوطہ زن ہوتا۔ درحقیقت یہ سب مجھ پہ میرے مُرشد برحق حضرت
علامہ پیر حیدر شاہ صاحب مدظلہ العالی کی نگاہِ کرم کا صدقہ ہے
اور یہ نتیجہ ہے میرے والدین کی ان دعاؤں اور کوششوں کا جو بچپن سے
لے کر آج تک بلکہ تاحیات میرے لئے کامیابی کا باعث بنتی رہیں گی۔

اور پھر یہ فیضان ہے میرے اُن مہربان اور مشفق اساتذہ کرام کی محنتوں کا جن کی وجہ سے اس مقام تک پہنچا۔ جن کا تا زندگی شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے بھی کہ استاد ایک باپ کی حیثیت رکھتا ہے ضروری سمجھتا ہوں کہ ان اہلِ علم اور عظیم شخصیتوں کا ذکر کرتا جاؤں۔ غالباً ۱۹۸۰ء میں منصور آباد کی مشہور جامع مسجد قادریہ میں پیر طریقت حضرت علامہ حافظ محمد شریف صاحب قادری خلیفہ مجاز دربارِ عالیہ ڈھوڈا شریف کی خدمتِ اقدس میں رہ کر قرآن مجید حفظ کیا۔

جن کی مہربانیاں ہر وقت میرے شاملِ حال رہتی ہیں۔ بعدازیں ۱۹۸۲ء میں ملکِ پاکستان کے عظیم اور مرکزی دارالعلوم جامع رضویہ مظہرِ اسلام میں درسِ نظامی کے لئے داخل ہو گیا۔ وہ محترم المقام عالی مرتبت اساتذہ کرام جن کی خدمت میں اس عاجز نے زانوئے تلمذ طے کئے ان میں :-

۱۔ استاد العلماء جناب علامہ حبیب الرحمان صاحب ہیں جن سے (علمِ میراث میں) سراجی اور چند ایک منطق کی کتابیں پڑھیں۔

۲۔ استاد العلماء جناب علامہ حاجی نظام الدین صاحب جن سے (فارسی میں) کریما، نامِ حق، بدائع منظوم، پند نامہ، تحفۃ النصائح گلستان، بوستان، یوسف زلیخا، مثنوی (ادب میں) تلیونی اور مقاماتِ حریری پڑھیں۔

۳۔ استاد العلماء جناب علامہ حق نواز صاحب سے (صرف میں) زرادی علم الصیغہ، فصول اکبری، (فقہ میں) منیۃ المصلی، قدوری (نحو میں)، نحو میر، شرح مائۃ عامل اور (ادب میں) سبع معلقہ پڑھیں۔

۴۔ استاذ العلماء جناب علامہ محمد یوسف صاحب جن سے (صرف میں) قانونچہ کھیوالی، صرف بھترال (نحو میں) ہدایۃ النحو (منطق میں) صغریٰ، کبریٰ، عیسیٰ غوجی (فقہ میں) نور الایضاح، کنز الدقائق شرح وقایہ پڑھیں۔

۵۔ استاذ القراء و شمس القراء جناب قاری علی احمد روہتکی رحمۃ اللہ علیہ اور

۶۔ استاذ القراء جناب قاری محمد اکرم صاحب سے تجوید و قرأت پڑھی کچھ عرصہ بعد۔

۷۔ استاذ القراء و زینت القراء جناب قاری منظور احمد صاحب سے بھی تجوید و قرأت میں استفادہ کیا۔

۸۔ استاذ العلماء جناب علامہ گل محمد عتیقی صاحب سے (صرف میں) میزان الصرف پڑھی۔

۹۔ استاذ العلماء جناب علامہ صوفی محمد بخش صاحب رضوی جن سے (نحو میں) کافیہ (فقہ میں) ہدایہ اولین و آخرین (ادب میں) روضۃ الادب متنبی، حماسہ (فلسفہ میں) میبذی (منطق میں) قطبی (تفسیر میں) جلالین شریف پڑھیں۔

۱۰۔ استاذ العلماء جناب علامہ حافظ محمد احسان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن سے ترجمہ و تفسیر قرآن مجید پڑھا (نحو میں) شرح جامی (تفسیر میں) بیضاوی (علم حدیث میں) مشکوٰۃ، نخبۃ الفکر (تفسیر میں) الفوز الکبیر (فصاحت و بلاغت میں) المختصر معانی پڑھیں۔ اور اس طرح ۱۹۸۸ء میں استاذ العلماء بحر العلوم جامع المعقول و المنقول شیخ الحدیث

والتفسیر جناب علامہ غلام رسول صاحب (مدظلہ العالی) سے دورۂ حدیث شریف پڑھا۔ جامع سے دستارِ فضیلت اور فارغ التحصیل کی سند حاصل کرنے کے بعد تنظیم کا امتحان دیا۔ ۱۹۸۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۹۰ء میں فاضل عربی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۹۱ء میں تنظیم المدارس کے زیرِ اہتمام تجوید و قرأت کا امتحان پاس کیا۔
اب میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے وسیلہ جلیلہ سے اپنے معزز و مکرم قارئین کرام سے پُر امید توقع رکھتا ہوں کہ وہ میری اس متاعِ مفلسانہ کو پذیرائی بخشیں گے۔
آخر میں بارگاہِ صمدیت و الوہیت میں دُعا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ و تعالیٰ میری اس سعیٔ سعید کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔
بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

طالبِ دُعا
قاری ابرار احمد قادری
فاضل علومِ عربیہ
خطیب جامع مسجد انوار لاثانی (رجسٹرڈ)
گلی نمبر ۲، روضہ پارک منصور آباد
فیصل آباد

ہمارا عقیدہ

بندۂ پروردگارم اُمّتِ احمد نبی
دوست دارِ چار یارم تابعِ اولادِ علی
مذہبِ حنفیہ دارم ملّتِ حضرتِ خلیل
خاکپائے غوثِ اعظم زیرِ سایہ ہر ولی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِین

حمدِ باری تعالےٰ

تُو ہی بے کسوں کا آسرا
تیری شان جل جلالہٗ

تُو ہی ہر بشر کا ہے مُدعا
تیری شان جلّ جلالہٗ

ہے عیاں بھی تُو ہے نہاں بھی تُو
ہے یہاں بھی تُو ہے وہاں بھی تُو

کہ ہے تُو ہی تُو نہیں مثل تیرا
تیری شان جلّ جلالہٗ

تُو رب ہے تُو کریم ہے
تُو قدیر ہے تُو رحیم ہے

تُو ہے خُدا تُو ہی کبریا
تیری شان جلّ جلالہٗ

تیری حمد ہو سکے کیا بیاں
کہ ہے تُو ہی خالق این و آں

تیرے ہاتھ میں ہے فنا و بقا
تیری شان جلّ جلالہٗ

تیری کُنہ کوئی نہ پا سکا!
ہوا پست عقل کا حوصلہ

کہ ہے عقل کی یہاں بات کیا
تیری شان جلّ جلالہٗ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
وما ارسلنٰک الا رحمۃ اللعالمین

نعت حبیب کبریا

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم — سب سے بالا و والا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم — دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

بزمِ آخر کا شمع فروزاں ہو — نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس — ہے وہ سلطانِ والا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

بجھ گئیں جس کے آگے سب ہی مشعلیں ! — شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

جن کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات — ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

عرش و کرسی کی تھیں آئینہ بندیاں — سوئے حق جب سدھارا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

خلق سے اولیاء اولیاء سے رُسل — اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

حُسن کھاتا ہے جن کے نمک کی قسم — وہ ملیحِ دل آرا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو — نمکیں حُسن والا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل — ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

جیسے سب کا خدا ایک ہے ویسے ہی — اِن کا اُن کا تمہارا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی — چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے — دینے والا ہے سچا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے — پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ملکِ کونین میں انبیاء تاجدار — تاجداروں کا آقا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے — ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سارے اچھوں میں اچھا سمجھیے جسے — ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سارے اونچوں میں اونچا سمجھیے جسے — ہے اس اونچے سے اونچا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

انبیاء سے کروں عرض کیوں مالکو — کیا نبی ہے تمہارا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

جس نے ٹکڑے کیے ہیں قمر کے وہ ہے — نورِ وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سب چمک والے اجلوں میں چمکا کیے — اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

جس نے مردہ دلوں کو دی عمرِ ابد — ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

غمزدوں کو رضاؔ مژدہ دیجیے کہ ہے
بے کسوں کا سہارا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
صفر المظفر		شفاعت اولیاء اللہ	۱۷۳
۱۔ ذکر الٰہی	۱۴۳	محبت اولیاء	۱۷۳
ان گنت نعمتیں	۱۴۴	صحبت اولیاء	۱۷۴
اطمینان قلب	۱۴۶	**۳۔ ضرورت مرشد**	۱۷۶
احادیث ذکر الٰہی	۱۴۷	ولی کامل کی پہچان	۱۷۹
نقطۂ قلب	۱۴۸	ضرورت مرشد	۱۸۱
صفائی قلب	۱۴۹	موسیٰ و خضر علیہ السلام	۱۸۳
ذکر کی قسمیں	۱۵۰	بلخ کا بادشاہ	۱۸۹
عبادت ایوب علیہ السلام	۱۵۳	سلطان العارفین	۱۹۱
جو میرا ہو جائے	۱۵۸	**۴۔ مرنے کے بعد زندہ**	۱۹۹
ذاکرین پہ انعام خدا	۱۵۹	بہتر زندگی	۲۰۲
ذکر بعد از زمانہ	۱۵۹	مرنے کے بعد زندہ	۲۰۴
فوائد ذکر الٰہی	۱۶۲	نظام الدین اولیاء	۲۰۵
۲۔ کمال نسبت	۱۶۳	کفن چور بخشا گیا	۲۰۵
کونوا مع الصادقین	۱۶۵	شان داتا علی ہجویری	۲۰۶
شان اولیاء	۱۶۵	کون داتا علی ہجویری تھا	۲۰۷
شیطان کی لاچاری	۱۶۶	آمد لاہور	۲۰۸
مجلس صالحین	۱۶۸	دودھ کی سبیل	۲۰۹
سو آدمیوں کا قاتل	۱۷۱	کعبہ نظر آگیا	۲۱۱

حصہ دوم کا انتظار فرمائیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فضائل اہلبیت اطہار

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰالَمِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ ۝ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ الطَّاھِرِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ پ۲۲

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَبَلَّغَنَا رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمِ۔

آقائے نامدار، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، مبدارِ کائنات، شبِ اسرار کے دولہا، والیل کی زلفوں والے، والضحیٰ کے مکھڑے والے۔ حٰمٓ کے کنڈلوں والے، طٰہٰ کی جبین والے۔ الم نشرح کے سینے والے مزمل کی کملی والے۔ شفیع المذنبین، انیس الغریبین، رحمۃ اللعالمین ہادیٔ کل

مولائے کل، دانائے سُبل، ختم الرُسل، آئینہ جمال کبریا، احمد مجتبیٰ، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دربار دُربار میں عاجزانہ، مؤدبانہ انداز سے محبّت کے ساتھ ہدیہ درود و سلام پیش کریں۔

حسین جاتے نہ کربلا میں !	تو ہم پہ یوں حقِ عیاں نہ ہوتا
نہ ہوتی ممبر کی زیب و زینت	یہ واعظوں کا بیاں نہ ہوتا
نہ ہوتا ہاتھوں میں مومنوں کے	یہ سُنّتِ مصطفےٰ کا دامن
نہ یوں شریعت کے ڈنکے بجتے	حسین گر پاسباں نہ ہوتا

میرے نہایت ہی واجب الاحترام بزرگانِ محترم معزز سامعین قابلِ صد احترام مائیں اور بہنیں۔

میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید فرقان حمید کی ایک آیہ کریمہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اہلِ بیت اطہار کی عظمت و شان بیان فرمائی ہے چنانچہ خالق کائنات نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۔	اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے، اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرما دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔

حضرات محترم !

اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیت کرام کو ہر قسم کی نجاست و پلیدی سے پاک کر دیا اور ایسا پاک کر دیا کہ یہ خود بھی پاک ہیں اور جس گنہگار و بدبخت کی طرف بھی نگاہِ کرم سے دیکھیں گے وہ بھی گناہوں کی آلودگی سے پاک ہو جائے گا۔

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۔ طہارت کا معنی ہے پاکیزگی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ طہارت کس لئے کی جاتی ہے۔ پاکیزگی کیوں حاصل کی جاتی ہے۔ نماز پڑھنے تلاوت قرآن مجید کرنے، ذکر الٰہی کرنے اور ہر طرح کی عبادت کرنے کے لئے۔ مگر کسی وقت زیارت کا مقام عبادت سے بڑھ جاتا ہے۔

جس طرح کہ عبادت کرنے سے بندہ ولی بن سکتا ہے ــــــ عبادت کرنے سے بندہ غوث بن سکتا ہے ــــــ عبادت کرنے سے بندہ قطب بن سکتا ہے ــــــ عبادت کرنے سے بندہ اوتاد بن سکتا ہے ــــــ عبادت کرنے سے مقامِ ولایت حاصل کیا جا سکتا ہے ــــــ مگر صحابی نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ صحابی وہ ہوتا ہے۔ جس نے ایمان کی نگاہوں سے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والضحیٰ کا چہرہ دیکھا ہو۔ جس نے زیارت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہو۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ جو بھی خوش قسمت ایمان کی نگاہوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھے وہ صحابی بنتا ہے۔ ذرا غور فرمائیں، جس نواسہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھیں اس کی شان کتنی بلند ہو گی۔

کعبہ کی زیارت کرنے سے حقدار جنت کے بنتے ہیں
بھلا ان کو پھر ہم کیا سمجھیں جو یار کے گھر میں رہتے ہیں

شانِ اہلبیت!

ہمارا ایمان ہے کہ جس طرح امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام نبیوں اور رسُولوں سے افضل و اعلیٰ ہیں ــــــ اسی طرح آپ کا زمانہ تمام زمانوں سے افضل و اعلیٰ ہے ــــــ آپ کا شہر تمام

شہروں سے افضل و اعلیٰ ہے ـــــــ آپ کا دین تمام دینوں سے افضل و اعلیٰ ہے ـــــــ آپ کا قانون تمام قانونوں سے افضل و اعلیٰ ہے ۔

ـــــــ آپ کا کلام تمام کلاموں سے افضل و اعلیٰ ہے ـــــــ

آپ کے صحابہ تمام انبیاء کے صحابہ سے افضل و اعلیٰ ہیں ـــــــ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہر چیز اپنے اپنے مقام پر افضل و اعلیٰ ہے۔ اسی طرح محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت اطہار تمام نبیوں کے اہلِ بیت سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

بھلا اُن کو پھر ہم کیا سمجھیں
جو یار کے گھر میں رہتے ہیں

اہل بیت کون؟

حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۔ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں موجود تھے امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت شیرِ خدا، سیدہ فاطمۃ الزہرا امام حسن، امام حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بلایا اور اپنے کمبل میں داخل فرما لیا۔ پھر آپ نے یہ دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا	اے اللہ یہ میری اہل بیت ہے پس ان سے نجاست اور پلیدی دور کر دے۔ اور انہیں خوب پاک کر دے۔

قَالَتْ اُمُّ سَلَمَۃَ وَاَنَا مَعَھُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی اس پر کیف محفل میں شامل ہوں۔

قَالَ اَنْتِ عَلٰی مَکَانِکِ وَاَنْتِ اِلٰی خَیْرٍ۔ | فرمایا تم اپنے مقام پر رہو۔ تم خیر پر ہو۔ (ترمذی شریف ص۲۱۹ جلد۲)

یعنی آیت کریمہ میں شامل تو سارے ہی اہل خانہ ہیں۔ اس میں کوئی خارج نہیں۔ لیکن دعا کے لئے خصوصیت مندرجہ بالا چاروں نفوسِ قدسیہ کو دی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو محبت ان چاروں سے تھی۔ وہ دوسروں سے نہ تھی۔

عظمت اہل بیت: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ کے دروازہ کو پکڑ کر یہ اعلان فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک میری اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے۔ جو بھی اس میں سوار ہو گیا بچ گیا۔

وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ | اور جو سوار نہ ہوا ہلاک ہو گیا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۷۳)

معزز سامعین!

اس حدیث پاک سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اہل بیت سے محبت وعقیدت میں ہی ہماری بقا اور نجات ہے۔ ان سے دشمنی رکھنے یا ان کی شانِ اطہر میں گستاخیاں کرنے میں سوائے ہلاکت

ورنہ ان کے پاس کچھ نہیں اور جس مسلمان کے دل میں اہلِ بیت اطہار سے محبت و عقیدت ہوگی وہ عذابِ الٰہی سے بچ جائے گا اور جو شخص ان سے عداوت اور بغض رکھے گا وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گا۔

زمین والوں کی بقا:۔

حضراتِ محترم!

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آلِ اطہار کو عظیم شان سے نوازا۔ یہاں تک کہ اہلِ زمین کی بقا اہلِ بیت کے ہی صدقہ سے ہے۔

جیسا کہ امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ستارے آسمان والوں کے لئے سلامتی کا باعث ہیں۔ جب ستارے جھڑ جائیں گے آسمان والے فنا ہو جائیں گے اور ایسے ہی میرے اہلِ بیت زمین والوں کے لئے سلامتی کا باعث ہیں۔

فَاِذَا ذَهَبَ اَهْلُ بَيْتِیْ ذَهَبَ اَهْلُ الْاَرْضِ

جب اہلِ بیت نہ رہیں گے تو زمین والے بھی ختم ہو جائیں گے۔

(خصائص کبریٰ ص ۲۲۶ ج۔۲)

کون اہلِ بیت؟

جن کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آیتِ تطہیر سے ظاہر ہے ان کی شان

بے اجازت جن کے گھر جبرائیل بھی آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہلِ بیت

اہل بیت پر سلام:

حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آٹھ یا نو ماہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہا تو میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فجر کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے گھر کے پاس سے گزرتے تو آپ دروازہ پر دستک دیتے اور زبان مبارک سے یوں فرماتے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

اے اہل بیت تم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت ہو اور پھر یہ آیہ کریمہ پڑھتے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

اللہ تعالیٰ نے تمہیں پسند کر لیا ہے کہ وہ تمہیں پاک و ستھرا رکھے اور خوب پاک کر دے۔

(سوانح کربلا)

جن کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آیت تطہیر سے ظاہر ہے ان کی شان

کتاب اللہ و اہل بیت:

حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن مجید اور اہلبیت نبوت کی عظمت و اہمیت کو بیان فرماتے ہوئے ایک خطبہ ارشاد فرمایا حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

فریضۂ حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے باہر غدیر خم کے مقام پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور احکامات الٰہیہ بیان فرمائے۔ اس کے بعد فرمایا۔

وَاَنَا تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اَوَّلُھُمَا کِتَابُ اللّٰہِ فِیْہِ النُّوْرُ وَالْھُدٰی۔	میں تم میں دو بے مثل چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) ہے جو نور و ہدایت سے بھرپور ہے۔
ثُمَّ قَالَ وَاَھْلُ بَیْتِیْ	اور دوسری چیز میری اہلبیت ہے۔

اپنی اہل بیت کے معاملہ میں، میں تم کو خدا یاد دلاتا ہے۔ (مسلم شریف ج ۲ ۲۷۹)

یہ جملہ آپ نے تین بار ارشاد فرمایا۔

میرے بزرگو اور دوستو۔ اس حدیث پاک میں جن دو چیزوں کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ان میں ایک قرآن مجید ہے اور دوسری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ان دو چیزوں کا واضح طور پر ذکر فرما کر دنیا والوں کو بتا دیا۔ کہ جب تک ان دو چیزوں سے اپنا تعلق اور واسطہ جوڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ لہٰذا یہ ثابت ہو گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی کلام قرآن مجید فرقان حمید کے ساتھ ساتھ نبی کریم کی اہلبیت کے ساتھ بھی تعلق رکھنا ضروری و لازمی ہے اور اس میں ہی نجات ہے۔

شیخ سعدی کی دُعا۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الٰہی بحق بنی فاطمہ ؎ | کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول | من و دست و دامانِ آلِ رسول (بوستان)

اے اللہ حضرت فاطمہ کی اولاد کا صدقہ میرا خاتمہ ایمان پر فرمانا۔ اگر تو نے میری یہ دُعا قبول نہ کی تو روز حشر میں آلِ رسول کا دامن پکڑ کر تیری بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں گا۔

امام شافعی کی دُعا

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے لئے ذریعہ نجات ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں وہی میرا وسیلہ ہے۔

اَرْجُوْ بِہِمْ اُعْطٰی غَدًا بِیَدِی
الْیَمِیْنِ صَحِیْفَتِیْ

میں اُمید رکھتا ہوں کہ اہل بیت نبوت کے صدقے سے بروزِ قیامت میرا نامۂ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

(نور الابصار)

آیئے شان حسین وعظمتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف توجہ فرمائیں۔

کون حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محراب و منبر کے وارث حسین، دین و شریعت کے پاسبان حسین، رشد و ہدایت کے مرکز حسین، حق و صداقت کے علمبردار حسین، سخاوت و عبادت کے منبع حسین، عدالت و امامت کے پیشوا حسین اور قرآن و سنت کے محافظ حسین،

کون حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ :۔

شہزادۂ گلگوں قبا، راکبِ دوشِ مصطفےٰ، نورِ نگاہِ علی المرتضےٰ، امینِ امانتِ خدا، جلوۂ شمس الضحیٰ، نقشۂ بدر الدجیٰ، پیکرِ صبر و رضا، شہزادۂ کونین سیدہ فاطمہ کے نور العین، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا حسین ہے ۔ مشکل کشا علی کا دُلارا حسین ہے
کیونکہ ہر دم ہمارے ساتھ ہمارا حسین ہے ۔ مسلم کا سر بلند ہے باطل کے سامنے

ولادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ :۔

حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں نے ایک خواب دیکھا جو بہت پریشان اور خوفناک تھا۔ اس حال میں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج رات میں نے بہت عجیب اور ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تو نے کیا خواب دیکھا ہے میں نے عرض کی یا نبی اللہ وہ بہت ہی خوفناک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وَمَا هُوَ وہ کیا ہے۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے جسم اقدس کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا اے ام الفضل یہ گھبرانے کی بات نہیں یہ تو بڑا مبارک خواب ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ انشاء اللہ میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ بیٹا عطا فرمائے گا یَکُوْنُ فِیْ حِجْرِكِ۔ جسے تم اپنی گود میں لو گی۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں۔ کہ واقعتاً سیدہ فاطمہ کے ہاں حضرت امام حسین رضی اللہ

تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے اور وہ میری گود میں آئے جیسا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا۔ حضرت ام الفضل فرماتی ہیں میں نے دیکھا کہ امام الانبیاء علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔ آپ روتے کیوں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السّلام آئے اور انہوں نے مجھے خبر دی کہ عنقریب میری اُمت میرے اس بیٹے کو شہید کرے گی۔

فَقُلْتُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ وَاَتَانِیْ بِتُرْبَةٍ مِّنْ تُرْبَتِهٖ حُمْرَاء

(مشکوٰۃ ص ۵۷۲)

حضرت ام الفضل فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اس بچے کو فرمایا۔ ہاں۔ اس بچے کو اور جبرائیل علیہ السّلام نے مجھے مقامِ شہادت کی سرخ مٹی بھی لا کر دی

اس کے بعد امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی گود میں لیا اور ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی اور اپنا لعاب دہن اُن کے مُنہ میں ڈالا اور آپ کے حق میں دعا کی۔ آپ کا نام حسین رکھا اور حکم دیا کہ ساتویں روز ان کا عقیقہ کرو اور بالوں کو اتار کر اس کے ہم وزن چاندی خیرات کرو۔

حسین مجھ سے ہے!

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

حُسَيْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَيْنٍ | حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں

اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا
(ترمذی شریف صـ۲۴۲ ج ۲)

اور اللہ تعالیٰ اُس سے محبّت فرماتا ہے جو حسین سے محبّت کرے۔

کون حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صبر رضا نے زہد اندر نہیں اوہناں دی نشان دا ہور کائی
باپ جنہاں دا علی کرار ہووے اُتے والدہ بنی دی ہووے جائی
نانا ہووے رسول مقبول باری جیہدی دو جہاں دیوچہ شاہی
مظہر حیدری کرو انصاف آپے کون ہے جہناں ایسی نشان پائی

حسین و صالح یہودی ؛

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم کو اپنے ساتھ لے کر ایک غزوہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں شہزادگان ابھی بچے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن گھر سے نکلے اور مدینہ کے ایک باغ میں آکر درختوں کے نیچے کھیلنے لگے۔ آپ کھیل رہے تھے کہ ایک یہودی جس کا نام صالح بن رقعہ تھا۔ اس طرف سے گزرا اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھیلتے ہوئے دیکھا تو قریب آیا اور حسین کو گود میں لیا اور گھر لے جا کر چھپا دیا۔ انتظار کرتے کرتے سارا دن گزر گیا۔ جب عصر کا وقت بھی گزر گیا تو سیدہ کی بے چینی بڑھ گئی۔ زار و قطار رونے لگیں۔ اسی پریشانی کے عالم میں ستر بار حجرہ سے باہر تشریف لائیں کہ شاید کوئی حسین کو لا رہا ہو۔ یا کوئی نظر آئے تو اسے تلاش کے لئے بھیجوں۔ آخر بڑے شہزادہ کو فرمایا! اے جان مادر تم ہی جاؤ اور

حسین کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس کھجوروں کے باغ میں تشریف لے گئے۔ جہاں سے وہ صالح یہودی حضرت حسین کو اُٹھا کر لے گیا تھا اور جا کر آواز دی۔

یَا حُسَیْنَ بْنُ عَلِیٍّ یَا قُرَّۃَ عَیْنِ النَّبِیِّ اَیْنَ اَنْتَ	اے حسین ابن علی اے نبی کی آنکھوں کی ٹھنڈک، اے میرے بھائی تم کہاں ہو۔

مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اچانک ایک ہرن اُدھر سے گزرا۔ آپ نے اس سے فرمایا یَا ظَبِیُّ هَلْ رَاَیْتَ اَخِیْ حُسَیْنًا اے ہرن کیا تو نے میرے بھائی حسین کو دیکھا ہے۔ ہرن کو اللہ تعالیٰ نے زبان ناطق عطا فرمائی اور وہ بحکم الٰہی بولا۔

اَخَذَہٗ صَالِحُ بْنُ رَقْعَۃَ الْیَهُوْدِیُّ وَاَخْفَاہُ فِیْ بَیْتِہٖ۔	اسکو صالح بن رقعہ یہودی نے پکڑ لیا ہے اور اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے۔

وہاں سے جا کر لے آیئے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خراماں خراماں اس کے گھر پہنچے۔ اور آواز دی۔ صالح باہر آیا۔ آپ نے فرمایا صالح۔ میرے بھائی حسین کو لا۔ ورنہ میں ابھی اپنی والدہ سے کہتا ہوں تاکہ وہ ایسی دعا کرے۔ کہ روئے زمین پر کوئی یہودی باقی نہ رہے

۔ صالح یہودی شہزادہ کی اس ذہانت پر حیران ہو گیا۔ کہ چھوٹی سی عمر اور تلاش میں ایسی دانائی کہ آخر چور پکڑ لیا۔ عرض کرنے لگا۔ صاحبزادے تمہاری ماں کون ہے آپ نے فرمایا

میری والدہ فاطمۃ الزہرا ہے۔ صالح نے کہا ہاں تمہاری ماں کو میں جان گیا مگر باپ کون ہے۔ آپ نے فرمایا میرے باپ شیرِ یزداں، شاہِ مرداں علی اسد اللہ ہیں۔ صالح نے کہا تمہارے باپ کو بھی پہچان گیا۔ اب اپنے نانا کے متعلق بتاؤ وہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ ہیں رسول الثقلین، سیّدِ کونین، مقتدائے حرمین، پیشوائے مشرقین، سردار مغربین جن کا نامِ نامی اسمِ گرامی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم یہ تمام جواب سن کر اس نے کہا اے جگر گوشۂ مصطفےٰ، نورِ دیدۂ علی المرتضےٰ قبل اس کے کہ میں تمہارے چھوٹے بھائی حسین کو تمہیں دوں۔ مجھے بھی اپنے نانے کا کلمہ پڑھا کر حریم اسلام میں داخل فرمایئے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صالح کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا۔ فرمایا پڑھ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور گھر میں سے شہزادہ حسین کو بلایا۔ کچھ اشرفیاں آپ کی نذر کیں۔ آپ گھر تشریف لائے اور زہرا کے دل کو راحت پہنچی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد صالح اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو اپنے ساتھ لایا اور شہزادگان کی خدمت میں حاضر ہو کر سب نے کلمہ پڑھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر صالح سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ میں نے حسین کو اپنے گھر میں چھپا کر بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ لہٰذا آپ اس قصور کو معاف فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں تو معاف کرتی ہوں۔ مگر یہ فرزندانِ علی المرتضےٰ ہیں۔ علی سے بھی معافی مانگو۔ صالح منتظر رہا۔ جب شیرِ خدا غزوہ سے تشریف لائے۔ تمام قصہ عرض کر کے معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ میں تجھ سے بہت خوش ہوں اور اپنی طرف

نے چوما ہے۔ وہ ہاتھ یزید کے پلید ہاتھوں میں نہیں جا سکتا۔ وہ منہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن ڈالا ہو اور جس زبان پہ کلامِ خدا جاری رہتا ہو۔ وہ زبان ایک زانی اور شرابی کی خلافت کا اقرار نہیں کر سکتی اور جو سر اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذاتِ اقدس کے آگے جھکتا ہو وہ ایک فاسق و فاجر کے سامنے نہیں جھک سکتا۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بتا دیا کہ حسین علی اکبر کی جوانی پہ گھوڑے دوڑتے ہوئے تو دیکھ سکتا ہے۔ عباس علمدار کے بازو تو کٹوا سکتا ہے۔ سکینہ کو یتیم ہوتے ہوئے تو دیکھ سکتا ہے ——— چھ ماہ کے علی اصغر کے حلق میں تیر پیوست ہوتا تو دیکھ سکتا ہے۔ سارے کا سارا کنبہ، عزیز و اقرباء اور رفقاء کو قربان کرنے کے بعد خود بھی نیزے کی انی کو برداشت کر سکتا ہے مگر شرابی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے سکتا۔ اُدھر جب یزید کو پتہ چلا کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری بیعت سے انکار کر دیا ہے۔ تو اس کی عداوت کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے مشتعل ہو کر عاملِ مدینہ ولید کو حکم بھیجا کہ حسین کو میری بیعت پر مجبور کیا جائے۔ اگر وہ انکار کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ جب حضرت امام کو یزید کے اس حکم کا پتہ چلا۔ تو آپ نے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ فرما لیا۔

مدینہ سے کوچ!

اور آپ ۴ شعبان المعظم سنہ ۶۰ھ کو مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ مدینہ منورہ سے رخصت ہونے سے قبل رات کو گنبدِ خضریٰ پر حاضری دی اور کہا۔

اے باغبانِ گلشنِ توحید الوداع !
میں جا رہا ہوں تیری بہاروں کو چھوڑ کر

روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا اور قبر انور سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگے۔ رو رو کر بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو اس طرح دردِ دل سنانے لگے۔ اے نانا جان! آپ کا حسین آج کی شب آپ کا مہمان ہے کل صبح میری منزل شروع ہونے والی ہے۔ اے نانا جان آپ کا نواسہ حسین پردیس میں جا رہا ہے۔ اے نانا حضور میں جا رہا ہوں۔ میرا آخری سلام قبول ہو۔ آج مدینہ چھوٹ رہا ہے۔ وطن سے دُور جا رہا ہوں۔ ہائے افسوس! یہ کیسا انقلاب ہے۔ کہ دنیائے عالم اسلام سے مسلمان اپنا وطن اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں حاضری کی خواہش کریں۔ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گنبدِ خضریٰ کی زیارت کے لئے تڑپیں لیکن نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے جلا ہو رہا ہے۔ محبوبِ خدا کے کندھوں پر کھیلنے والا حسین جا رہا ہے۔ حسین سے مدینہ اوجھل ہو رہا ہے۔ آواز آئی جاؤ بیٹا حسین صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور صبر و شکر سے جامِ شہادت نوش کر کے میرے پاس آ جاؤ اور پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ

مدینے نوں چھڈ کے جگر فاطمہ دا !
زمیں کربلا دی وساون نوں چلیا

اے اکبر تے اصغر نوں قربان کر کے
اُمت دی بگڑی بناون نوں چلیا

اُدھر جب اہل عراق کو پتہ چلا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے یزید کی بیعت نہیں کی اور آپ مکہ معظمہ تشریف لے آتے ہیں۔ تو انہوں نے متفق ہو کر۔ امام عالی مقام کی خدمت میں درخواستیں اور خطوط بھیجنے شروع کر دیتے۔ جن میں اپنی نیازمندی اور عقیدت و اخلاص کا اظہار کیا کہ ہم اپنے جان و مال آپ پر قربان کر دیں گے۔ آپ یہاں کوفہ تشریف لے آئیں۔ کیونکہ خلافت آپ کا حق ہے۔ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ ہم آپ کے غلام ہیں۔ آپ کا بھرپور ساتھ دیں گے۔ غرضیکہ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ عالیہ میں اس طرح کے تقریباً ڈیڑھ سو خطوط آئے۔

اب سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دو مسئلے پیدا ہو گئے ایک کوفیوں کی بے وفائی دوسرا یزید کی حکومت جو دین کے لئے ایک خطرہ بن چکی تھی۔ ایک طرف امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفیوں کی طرف سے بیعت کے لئے اصرار جس کے رد کرنے کے لئے کوئی شرعی عذر نہ تھا اور دوسری طرف صحابہ کرام کا اصرار کہ آپ کوفہ نہ جائیں۔ لہٰذا آپ نے صحابہ کرام کے مشورہ سے حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنے چچا زاد بھائی حضرت امام مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر کوفہ روانہ کر دیا، اور حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دونوں صاحبزادوں محمد و ابراہیم کو ساتھ لیا اور کوفہ پہنچ گئے۔ کوفہ والے تو پہلے ہی آپ کے انتظار میں تھے دیکھتے ہی باغ باغ ہو گئے۔ آپ کا شاہانہ استقبال کیا گیا۔ آپ کے کوفہ پہنچنے کی خبر فوراً تمام شہروں میں پھیل گئی۔ مخلوق جوق در جوق آپ کی زیارت و ملاقات کے لئے حاضر ہونے لگی۔ کوفہ میں ایک نئی بہار آگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آسمان سے چاند اتر آیا۔ چہروں سے نور کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ اس لئے کہ:۔

تیری نسلِ پاک میں ہے بچّہ بچّہ نُور کا
تُو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نُور کا

بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ بارہ ہزار اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس ہزار کوفیوں نے پہلے ہی دن آپ کے ہاتھ پر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر لی۔ ان بیعت کرنے والے میں بڑے بڑے علماء، فضلا، رؤساء اور امراء بھی تھے۔ قبیلوں کے سردار اور بہت بڑے بہادر اور شجاع بھی تھے۔ حضرت امام مُسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق والوں کے اس جذبۂ محبت اور جوشِ عقیدت کو دیکھ کر فوراً حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں خط لکھ دیا۔

امام مُسلم کا خط!

جس میں یہ لکھا تھا کہ عراق والے بڑے مخلص اور دیانت دار ہیں۔ وَاِنَّ جَمِیْعَ اَھْلَ الْکُوْفَۃِ مَعَکَ" اور بے شک تمام کوفہ والے آپ کے ساتھ ہیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ بارہ ہزار اور ایک روایت میں ہے۔ اٹھارہ ہزار، اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس ہزار کوفیوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے، لہٰذا آپ جلد تشریف لے آئیں۔ تاکہ بندگانِ خدا یزید کی غیر اسلامی حکمرانی سے نجات پا سکیں اور دینِ حق کی تائید ہو سکے۔ جب یزید کو ان حالات کا علم ہوا کہ حضرت امام مسلم کوفہ پہنچ چکے ہیں اور لوگ انتہائی جوش و خروش سے ان کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ اور خود امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف لانے والے ہیں، تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور اُسے تختِ حکومت

لرزتا ہوا نظر آیا اور سمجھ گیا کہ اب خیر نہیں ہے۔ فوراً اپنے وزیروں اور مشیروں کو بلا کر مشورہ کیا۔ وہ بھی پریشان ہو گئے۔ چنانچہ یزید نے حاکم بصرہ عبید اللہ بن زیاد کو حکم بھیجا کہ کوفہ پہنچ کر لوگوں کو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت سے روکے اور حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً وہاں سے نکال دے اور اگر ان کی طرف سے کوئی مزاحمت کرے تو اسے قتل کر دے۔ ابن زیاد یزید کا حکم پاتے ہی کوفہ روانہ ہو گیا۔ ابن زیاد بڑا مکار اور دغا باز انسان تھا۔ وہ چہرے پر نقاب ڈال کر شام کے وقت حجازی راستے سے کوفہ میں داخل ہوا۔

ابنِ زیاد کوفہ میں!

جہاں کوفہ والے بڑی بے چینی سے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ چنانچہ جب ابن زیاد کوفہ میں داخل ہوا۔ لوگ یہ سمجھے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سواری پہنچ گئی ہے اور لوگ بڑی کثرت سے خوشی و مسرت کے نعرے لگاتے ہوئے جمع ہو گئے۔ اور ہر طرف مرحبا ابنِ رسول مرحبا کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ یہ ظالم چلتا رہا اور کچھ نہ بولا۔ اسے پتہ چل گیا کہ اکثریت حسین ابن علی کی طرف ہے ابنِ زیاد آہستہ آہستہ بڑی خاموشی سے قصرِ امارت میں داخل ہو گیا۔ جامع مسجد میں لوگوں کو جمع کیا اور ایک وحشت ناک تقریر کر کے ان میں زبردست خوف و ہراس پیدا کر دیا اور کہا کہ خبردار مجھے یزید کی طرف سے کوفہ کا با اختیار حاکم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم یزید کو خلیفہ ماننے سے انکار کر رہے ہو اور حسین ابن علی کے ہاتھ پر بیعت

کر رہے ہو۔ اس کے لئے مسلم بن عقیل ان کی طرف سے بطور نمائندہ یہاں موجود ہیں۔ خبردار۔ کان کھول کر سن لو، اگر تم باز نہ آئے۔ تو تمہارے بچوں کو ذبح کر دیا جائے گا۔ تمہارے سر تن سے جدا کر دیئے جائیں گے۔ اُدھر سیدنا امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس انقلاب کا علم ہوا تو حیران و پریشان ہو گئے۔

امام مسلم ہانی بن عروہ کے گھر!

اور مجبوراً ہانی بن عروہ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ جو ایک پکے اور سچے عاشق رسول اور محب اہل بیت تھے۔ ہانی نے عرض کی یا امام ایسے حالات میں یہاں تک آپ کی حفاظت اور خدمت کا تعلق ہے۔ میں اس میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑوں گا۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ ہانی نے آپ کو اپنے مکان کی ایک محفوظ جگہ میں چھپا دیا اور خفیہ طور پر دل میں آل رسول کی محبت رکھنے والے لوگ جوق در جوق آنا شروع ہو گئے ادھر عبیداللہ ابن زیاد نے سیدنا امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش کے سلسلہ میں کئی دن لگا دیئے۔ لیکن کہیں سے آپ کی جائے اقامت کا علم نہیں ہو رہا۔ حیرت تو یہ ہے۔ کہ ہیں بھی کوفہ میں۔ بالآخر اس نے بنو تمیم کے ایک غلام معقل کو تین ہزار درہم دے کر سراغ لگانے کے لئے مقرر کیا۔ چنانچہ اس جاسوسی کے بعد معقل نے ساری خبر ابن زیاد کو بتا دی۔ اس کے بعد ابن زیاد نے محمد بن اشعث کو بلایا اور کہا کہ ہانی کئی روز سے نہیں آئے۔ ان کو بلا کر لاؤ۔ اس نے کہا صحیح معلوم نہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی بیماری سے صحت یاب نہ ہوئے ہوں،

ابن زیاد کہنے لگا۔ تم جاؤ اور ہر صورت میں ان کو ساتھ لاؤ۔ پھر وہ ہانی کے پاس آئے اور ابن زیاد کا پیغام دیا۔ کہ وہ آپ کو بلا رہا ہے۔ وہ بھی اس معاملہ میں بے خبر تھے۔ حضرت ہانی بغیر کسی کو اطلاع دیئے ہوئے اکیلے ہی چلے گئے۔

ہانی ابن زیاد کے پاس:-

دیکھا کہ ابن زیاد کے تیور بدلے ہوئے ہیں۔ ابنِ زیاد دیکھتے ہی کہنے لگا۔ موت کے منہ میں آ گئے ہو۔ آپ نے کہا کیوں کیا بات ہے۔ کہنے لگا۔ تم نے مسلم کو اپنے پاس پناہ دی ہے۔ حضرت ہانی نے کہا۔ تجھے کس نے بتایا۔ اس نے اپنے جاسوس معقل کی طرف اشارہ کیا۔ ہانی نے جب اس شخص کو دیکھا تو سمجھ گئے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نے مہمان کو پناہ دی ہے کیا حرج ہے۔ ابن زیاد کہنے لگا۔ اچھا یہی بات ہے تو مسلم کو میرے حوالے کر دو۔ حضرت ہانی نے جواب دیا یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہنے لگا۔ پھر آپ بھی زندہ نہیں بچ سکتے۔

آپ نے فرمایا۔

اَلَا وَاللّٰہِ لَا اُجِیْئُکَ بِہٖ اَبَدًا اُجِیْئُکَ بِضَیْفِیْ تَقْتُلُہٗ	خدا کی قسم میں ہرگز ان کو تیرے پاس پیش نہیں کر دوں گا۔ کیا اس لئے کہ تو میرے مہمان کو قتل کر ڈالے۔

حضرت ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خدا کی قسم میں جان تو دے سکتا ہوں۔ مگر اپنے معزز مہمان کو کسی قیمت پر تیرے حوالے نہیں کر

سکتا۔ یہ بات سن کر ابنِ زیاد بولا۔ اگر تم نے اُس کو حاضر نہ کیا۔ تو تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ حضرت ہانی نے فرمایا۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے قصر کے ارد گرد تلواریں ہی تلواریں چمک اٹھیں گی۔ جب ابن زیاد نے یہ بات سُنی تو آگ بگولہ ہو کر اٹھا اور اپنے عصا سے حضرت ہانی کو اس قدر مارا کہ ان کے مُنہ کے رخسار پھٹ گئے اور ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ خون کے فوارے بہنے لگے۔ تمام بدن بمعہ لباس رنگین ہو گیا۔ اس زخمی حالت میں سسکتے ہوئے آپ کو کمرے میں قید کر لیا گیا اور دروازہ بند کر دیا۔

شہادت ہانی بن عروہ!

چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد سارے کوفہ میں خبر پھیل گئی کہ حضرت ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اور پھر سیدنا امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ کہ معزز میزبان انہی کی وجہ سے مصائب میں گرفتار ہے اور وہ ابھی تک گھر نہیں آئے، آپ باہر نکلے۔ چند افراد آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ سیدھے دارالامارات پہنچے۔ جب ابن زیاد کو پتہ چلا کہ مسلم بن عقیل لشکر لے کر آ رہے ہیں اور قلعہ کا محاصرہ کرنے لگے ہیں تو اُس نے اپنی فوج کو کہا کہ ان لوگوں کو ڈرائیں دھمکائیں۔ چنانچہ لوگ ابن زیاد کے خوف سے بھاگنا شروع ہو گئے اور ہزاروں میں سے صرف ۵۰۰ کے لگ بھگ آدمی رہ گئے۔ دریں اثناء نمازِ مغرب کا وقت ہو گیا تو آپ کوفہ کی جامع مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لئے تشریف لے گئے۔ جب اذان کے بعد جماعت کھڑی ہوئی، اور امامت کے فرائض حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی فرما رہے تھے

تو سب آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ لیکن جب آپ نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ پیچھے ایک شخص بھی موجود نہیں ہے۔ آپ سمجھ گئے کہ:

کوفیوں کی بیوفائی:۔

کوفہ والے بے وفائی کر گئے مگر اب کیا ہو سکتا تھا اور حضرت امام مسلم رات کی تاریکی میں تنہا رہ گئے۔ کوئی راستہ بھی بتانے والا نہ رہا۔ پریشان ہیں کہ کدھر جائیں اور کہاں رات گزاریں۔ حیرت ہے کہ کوفہ کے تمام مکانوں کے دروازے بند ہو چکے ہیں اور سوچتے ہیں کہ واقعی بد عہد قوم نے بیوفائی کی ہے جو مشہور ہے۔ اس بے کسی اور بے بسی کے عالم میں جا رہے ہیں کہ ایک طوعہ نامی بڑھیا کے دروازے پر جا پہنچے آپ نے اُس عورت کو دیکھ کر فرمایا۔

اے اللہ کی بندی تجھ پر سلام ہو مجھے کچھ پانی پلا دو۔	اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَا اَمَۃَ اللّٰہِ اِسْقِیْنِیْ مَاءً

ہائے افسوس جس گھر سے دنیا کو بھیک ملتی ہے۔ آج وہ امام شدتِ پیاس سے کوفہ کے گلی کوچوں میں پھر رہے ہیں اور کوئی پُرسانِ حال نہیں اُس عورت نے اسی وقت پانی کا پیالہ پیش کیا۔ آپ نے پانی نوش فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ جب اس بڑھیا نے آپ کی خستہ حالی دیکھی تو پوچھا۔ قبلہ آپ کون ہیں۔ فرمایا میں غریب الوطن مسلم ہوں۔ اس پاک نام کا سننا تھا کہ وہ بڑھیا آپ کے قدموں میں گر گئی اور نہایت ہی عزت و تکریم سے اپنے گھر کے اندر لے گئی۔

مسلم طوعہ کے گھر۔

بستر بچھا دیا۔ کھانا تیار کر کے پیش کیا رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا کہ اس عورت کا بلال نامی لڑکا گھر آیا۔ اُس نے پُوچھا یہ شخص کون ہے۔ طوعہ نے کہا یہ امام مسلم بن عقیل ہیں۔ اہل بیت سے ہیں۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ یہ عظیم مہمان ہمارے گھر تشریف لے آئے ہیں۔ ان کی خدمت میں ہماری نجات ہے۔ اس کے بعد لڑکا سو گیا اور حضرت امام مُسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبادتِ خداوندی میں مشغول ہو گئے۔ ادھر جنتی ماں کے جہنمی بیٹے نے ابنِ زیاد کو خبر دی کہ مُسلم ہمارے گھر میں موجود ہیں۔ چنانچہ ابنِ زیاد نے اپنی فوج بھیجی تقریباً ستر آدمی تلواریں اور گھوڑے لے کر وہاں پہنچے اور اس بڑھیا کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اچانک گھوڑوں کی ٹاپوں اور لوگوں کے شور و غل کی آواز کانوں تک پہنچی۔ تو سیّدنا امام مُسلم تنہا تلوار لے کر باہر نکلنے لگے طوعہ نے کہا، حضوُر آپ باہر نہ جائیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے۔ کہ کہیں ظالم مکان کو آگ نہ لگا دیں۔ بس خود ہی اُن کے سامنے چلا جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر طوعہ کو آخری سلام کہتے ہوئے آپ باہر تشریف لے آئے اور آتے ہی ابن زیاد کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ آپ کے حملے سے دلاوروں نے دل چھوڑ دیئے۔ حتیٰ کہ اکتالیس آدمی مارے گئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے محمد بن اشعث گبھرا کر گھوڑے کو دوڑاتا ہوا۔ ابن زیاد کے پاس گیا اور بتایا کہ ہمارے اکتالیس آدمی اکیلے مسلم نے مار ڈالے ہیں۔ ہمیں اور آدمی دیجئے۔ ابنِ زیاد محمد بن اشعث پر ٹوٹ پڑا اور کہنے لگا اتنے بزدل ہو صرف ایک آدمی پر قابو نہیں پا سکے۔ اگر تمہیں کسی فوج کے مقابلہ میں بھیجا

جلئے تو پھر تمہارا کیا حال ہوگا۔ اشعث نے جواب دیا۔ اے امیر کیا آپ کا خیال ہے۔ کہ آپ نے مجھے کسی کوفہ کے سبزی فروش کے پاس بھیجا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ اس کی رگوں میں بھی علی کا خون ہے۔ وہ آلِ نبی اور اولادِ علی ہے۔ ابنِ زیاد یہ سن کر چکرا گیا۔ کہنے لگا اس کو امن و سلامتی کا دھوکہ دے کر اس بہانے سے میرے پاس لے آؤ کہ ابن زیاد اسے امان دے گا اور کچھ نہ کہا جائے گا۔ ورنہ اس کے بغیر تم اس پہ قابو نہ پا سکو گے۔ ابن اشعث گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ مقابلہ ہو رہا ہے اور سیدنا امام مسلم شدید زخمی حالت میں ہیں۔

امام مسلم زخموں سے چُور،

زخموں کی کثرت اور خون کے زیادہ بہہ جانے اور شدت پیاس سے نڈھال ہو کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں طوعہ خاتون کو آواز دی۔ کہ تھوڑا سا پانی لاؤ۔ وہ جلدی سے پانی لے کر آئی۔ کہ حضرت پانی پینے نہ پائے۔ کہ ایک ظالم نے اس قدر زور سے پتھر مارا کہ حضرت امام مسلم کے منہ پر لگا اور ہونٹ مبارک شہید ہو گیا۔ آپ نے فرمایا شکر ہے اللہ اگر یہ دنیاوی پانی ہماری قسمت میں نہیں تو حوضِ کوثر سے سیراب ہو جائیں گے۔ پھر ایک ظالم نے اور پتھر مارا۔ جو سیدنا امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی اقدس پر لگا کہ خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ بدن اقدس لہولہان ہو گیا۔ داڑھی اور چہرہ مبارک خون آلود ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا تمہیں کیا ہو گیا کہ مجھے اس طرح پتھر مار رہے ہو۔ جیسے کفّار کو مارے جاتے ہیں۔

حالانکہ میں تو نبی کے خاندانِ اہل بیت سے ہوں۔ کیا تمہیں آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی پاس نہیں۔ اس کے بعد ایک ظالم نے پیچھے سے سرِاقدس پر ایسا زور کا وار کیا کہ آپ گر گئے۔ ظالموں نے خستہ بدن حالت میں لاچار دیکھ کر آپ کو پکڑا اور گھوڑے پر سوار کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا مجھے کہاں لے جانے لگے ہو۔ ابن اشعث نے کہا ابن زیاد آپ کو امان دے گا۔ آپ نے فرمایا۔ ظالمو اب بھی مجھے امان کا دھوکہ دے کر قتل کرنا چاہتے ہو۔ کہنے لگا نہیں، نہیں، آپ نے فرمایا تم پر کچھ اعتبار نہیں۔ یقین ابھی تمہارا پتہ چل جائے گا۔

امام مسلم ابنِ زیاد کے پاس:۔

سیدنا امام مسلم کو کوفہ میں ابنِ زیاد کے پاس لے آئے۔ ابنِ زیاد بولا۔ تو نے یہاں آکر لوگوں میں فتنہ ڈالنا چاہا۔ آپ نے فرمایا تمہارا الزام غلط ہے۔ یہاں کے لوگوں نے ہمیں دعوت دے کر بلایا۔ ہم تب آئے۔ تاکہ لوگوں میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول پر عمل ہو۔ ابنِ زیاد نے کہا اس کا حقدار یزید ہے۔ امام مسلم نے فرمایا جو سنتِ رسول کو بدلنا چاہے اور شراب نوشی کرے۔ فسق و فجور اس کی گھٹی میں رچ گیا ہو۔ جو تارکِ نماز ہو۔ دین کی حدوں کو توڑنے والا ہو۔ کیا وہ امیر المؤمنین ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ابنِ زیاد کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا بلکہ کہنے لگا۔ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ آپ نے فرمایا۔ ظالم مجھے پتہ ہے جو تو کرنے والا ہے۔ لیکن میری چند وصیتیں ہیں۔ اگر انہیں پورا کر دے۔ کہنے لگا بتاؤ کیا ہیں۔

چند وصیتیں:-

آپ نے فرمایا:

۱۔ مجھ پہ کوفہ والوں کے سات سو درہم قرض ہیں۔ میری موت کے بعد میری تلوار اور زرہ بیچ کر میرا قرض ادا کر دینا۔

۲۔ میرے قتل کے بعد میری لاش کو رنگین خون کے اسی لباس میں دفن کر دینا۔

۳۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو لکھ دیں۔ کہ کوفہ نہ آئیں، کوفہ والے واقعی بے وفا ہیں۔

۴۔ مجھے میرے بچوں کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ اُن کا خیال رکھنا اور انہیں سلامتی سے مدینے پہنچا دینا۔

سیدنا امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زخموں سے چُور ہیں۔ مگر ابنِ زیاد کے سامنے انتہائی جرأت مندانہ انداز اور قوّتِ ایمانی سے کلام فرما رہے ہیں گویا کہ اس پیکرِ صبر و رضا نے یہ ثابت کر دیا کہ جان تو دے دوں گا۔ مگر دینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عَلَم کو سرنگوں نہیں ہونے دوں گا۔

شہادتِ امام مُسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آخر عبیداللہ ابن زیاد نے جلّاد کو حکم دیا کہ مسلم کو قصرِ امارت کی چھت پہ لے جا کر قتل کر دیا جائے اور لوگوں کو بتا دے کہ جو کوئی حکومت یزید کی مخالفت کرے گا اس کا یہی حال ہو گا

چنانچہ امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محل کی چھت پر لے جایا گیا۔ آپ نے نیچے دیکھا کہ مخلوق کا ایک ہجوم ہے۔ کوئی یار و مددگار نہیں کوئی غمخوار و غمگسار نہیں اور کوئی اپنا یار نہیں۔ کوئی ساتھ دینے والا نہیں ادھر اس ظالم دنیا کے کتے نے اس زور سے تلوار کا وار کیا کہ حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر انور تن سے جدا کر دیا۔ سر انور نیچے گرا تو ظالم نے تن اقدس نیچے گرا دیا اس طرح ۹ ذوالحجہ ۶۰ھ ہجری کو آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۝

ادھر امام مسلم کی شہادت کے ساتھ ہی ابن زیاد کی طرف سے کوفہ کے گلی کوچوں میں منادی ہونے لگی کہ جو بھی مسلم کے یتیم بچوں کو اپنے گھر میں پناہ دے گا۔ اُسے عبرتناک سزا دی جائے گی اور جو انہیں پکڑ کر لائے گا اسے بہت بڑا انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں یتیم ۶ اور ۸ سال کے محمد اور ابراہیم کوفے میں ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و محب اہل بیت قاضی شریح کے گھر پناہ لئے ہوئے تھے۔ یہ اعلان سُن کر قاضی شریح کا دل ہل گیا۔ مسلم کے شہزادوں کی یتیمی کا احساس اور ان کا دردناک انجام آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ کافی دیر اسی فکر میں سوچتے گزر گئی کہ کس طرح انہیں ظالموں کے ظلم سے بچایا جائے۔ کافی غور و خوض کے بعد یہ صورت سمجھ میں آئی۔ کہ کسی نہ کسی طریقہ سے راتوں رات بچوں کو کوفے سے مدینہ منورہ پہنچا دیا جائے۔ اسی پریشانی کے عالم میں اپنے بیٹے اسعد کو آواز دی۔ بیٹا یہ دیکھ نواسۂ رسول جگر گوشۂ بتول مسلم شہید کے یتیم ہیں

بیٹا ان کی خدمت کرنے سے ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش ہوں گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔ عرض کی اباجان آپ حکم فرمائیں۔ فرمایا بیٹا مجھے پتہ چلا ہے۔ کہ شام کے وقت ایک قافلہ کوفے سے مدینہ شریف جا رہا ہے۔ لہٰذا انہیں کھانا کھلا کر اور کچھ درہم و دینار دے کر اس مدینے جانے والے قافلہ میں کسی نیک خصلت اور شریف الطبع انسان کے حوالے کر آنا تاکہ وہ انہیں بحفاظت مدینہ شریف پہنچا دے۔ جونہی قاضی کی نظر ان شہزادوں پر پڑی، ضبط نہ ہو سکا گڑگڑا کر رونے لگے۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ بچوں کو سینے سے لگا لیا۔ پیشانی چومی سر پر ہاتھ پھیرا۔ بچے ابھی تک باپ کی شہادت سے بے خبر تھے۔ قاضی شریح کی اسی کیفیت پر شہزادے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ بڑے بھائی نے حیرانی کے عالم میں دریافت کیا۔ باباجی کیا بات ہے کہ ہماری طرف بار بار دیکھ کر روتے ہیں اور پھر ہمارے سروں پر آپ کا شفقت سے ہاتھ پھیرنا ایسی ہمدردی تو یتیموں کے ساتھ کی جاتی ہے قاضی شریح نے بچوں کو جواب دیا۔ بچو میں کس منہ سے بتاؤں کہ ظالموں نے تمہارے باپ کو شہید کر دیا ہے۔ ہائے تم پردیس میں یتیم ہو گئے ہو۔ لاوارث اور بے سہارا ہو گئے ہو۔ یہ خبر سن کر دونوں بچے ہیبت و خوف سے کانپنے لگے۔ چھوٹے بھائی کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ ہوش آیا تو اباجی، اباجی کہہ کر پکارنے لگا۔ قاضی شریح سے بچوں کا بلکنا اور تڑپنا دیکھا نہیں جاتا تھا۔ بڑی مشکل سے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ شہزادو چپ کر جاؤ۔ دشمن دیوار سے کان لگائے کھڑے ہیں۔

امانت اہل بیت!

تم میرے پاس اہل بیت کی مقدس امانت ہو۔ اگر مجھ سے اس امانت میں فرق آگیا۔ تو کل قیامت کے دن میں منہ دکھانے کے بھی قابل نہیں رہوں گا۔ اس لئے میری کوشش ہے کہ کسی طرح تمہیں مدینے پہنچا دیا جائے۔ اور جب مدینہ میں پہنچ جاؤ، تو نانا جان کے روضۂ اقدس پر پہنچ کر میری طرف سے بھی درود و سلام کا نذرانہ پیش کر دینا۔ یہ کہہ کر قاضی شریح نے بچوں کو رخصت کیا۔ قاضی شریح کا بیٹا اسعد انہیں بڑی حفاظت کے ساتھ اور جاسوسوں کی نظروں سے چھپ چھپا کر کوفہ سے باہر لے گیا۔ جہاں سے قافلہ روانہ ہونا تھا۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کوئی قافلہ نہیں ہے۔ کسی بتانے والے نے بتایا کہ تھوڑی دیر ہوئی ہے قافلہ جا چکا ہے۔ جب نظر اٹھائی دیکھا کہ کچھ ہی فاصلے پر دھول اڑتی ہوئی نظر آئی۔ اسعد نے کہا اے صاحبزادو دیکھو وہ سامنے قافلہ جا رہا ہے جس کی دھول اڑتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ دوڑو اور ساتھ مل جاؤ۔ لیکن رات کا وقت ہر طرف دہشت چھائی ہوئی تھی۔ اس خوف اور ہیبت میں رہ گیا دوڑتے۔ چھوٹی عمر میں یتیمی کا احساس کوئی ساتھی نہیں کوئی یار و مددگار نہیں کوئی راستہ بتانے والا نہیں۔ تھوڑی دور جا کر راستہ بھول گئے۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ جنگل میں چلتے ہوئے۔ اگر کوئی پتا بھی ہلتا تو سہم جاتے۔ کہ کہیں دشمن تو نہیں آگیا۔ ساری رات چلتے رہے چھوٹا گرتا تو بڑا بھائی سنبھال لیتا۔ بڑا گرتا تو چھوٹا سہارا دیتا۔ منزل سے بے خبر مدینے کے مسافر مسلم شہید کے یتیم ابھی چھپنے کی

جگہ تلاش کر رہے تھے۔

ابن زیاد کا سپاہی!

کہ ابن زیاد کا سپاہی تلاش کرتا کرتا شہزادوں کے قریب آیا اور دریافت کیا تم کون ہو۔ بچوں نے سمجھا کہ شاید یتیم سمجھ کر بطور ہمدردی کے پوچھ رہا ہے۔ انہوں نے اپنا سارا حال بیان کر دیا۔ مگر ان یتیموں کو کیا خبر کہ وہ خون کے پیاسوں کو اپنا پتہ بتا رہے ہیں۔ جب اسے پتہ چل گیا کہ حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہی فرزند ارجمند ہیں۔ اس نے فوراً گرفتار کر لیا اور اپنے ساتھ لے چلا۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر بچے چلّا اُٹھے اور فریادیں کرنے لگے۔ ارے ہم یتیم ہیں۔ ہماری یتیمی پر رحم کر ساری رات چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ نانا جان کا واسطہ ہمارے جسم پر ترس کھا۔ کبھی ابو کو پکارتے ہیں۔ کبھی امّی جان بچانا کے لفظ زبان سے نکلتے ہیں۔ کبھی بہن کا نام لیتے ہیں۔ لیکن اس بیابان جنگل میں ان یتیموں کی فریاد سننے والا کوئی نہیں۔ بچّوں کی ان فریادوں کا اس ظالم پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ترس کھانے کے بجائے شہزادوں کے پھول جیسے رخساروں پر طمانچے مار کر جواب دیا۔ کئی دنوں سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔ آنکھوں کی نیند اڑ گئی۔ کھانا پینا حرام ہو گیا۔ خبردار اگر اب کوئی سوال کیا۔ جب تک تمہاری زندگی کا آخری فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ کوئی فریاد نہیں سُنی جائے گی۔ اور نہ ہی تم پر رحم کیا جائے گا۔ طمانچوں سے نُور جیسے چہروں پر انگلیوں کے نشان پڑ گئے۔ رونے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اب سسکتے، لرزتے اور کانپتے ہوئے سر جھکا کر ساتھ چل رہے ہیں اور اس ظالم کے ظلم برداشت

کر رہے ہیں۔ اب بچّے سمجھ گئے کہ ہمارے لئے سوائے موت کے اور کچھ نہیں۔ لہٰذا دیکھتے ہیں کہ ہماری موت کا وقت کون سا مقرر ہوتا ہے۔ ابن زیاد کا سپاہی بچوّں کو لے کر ابن زیاد کے سامنے گیا۔

بچّے ابنِ زیاد کے پاس:

اس نے حکم دیا کہ تا حکم ثانی ان بچوّں کو جیل میں بند کر دیا جائے اور کڑی نگرانی کی جائے۔ چنانچہ دونوں بچوں کو جیل کے داروغہ کے حوالے کر دیا گیا۔ جیل کا داروغہ نہایت ہی شریف النفس اور ایک سچّا عاشق رسول اور محبّ اہل بیعت تھا۔ اس نے انتہائی عقیدت و محبّت کے ساتھ ہاشمی شہزادوں کو خوش آمدید کہا اور رات بھر ان کی خدمت میں مشغول رہا۔ آدھی رات گزرنے کے بعد اس نے اپنی جان کی فکر کئے بغیر دونوں بچوّں کو جیل سے باہر نکالا۔ دُور لے گیا اور قادسیہ جانے والی سڑک پر پہنچا کر اپنی انگوٹھی دی۔ اور کہا یہ راستہ سیدھا قادسیہ جاتا ہے اور وہاں میرا بھائی شہر کا کوتوال ہے۔ اسے جا کر میری یہ انگوٹھی دکھانا۔ وُہ تمہیں حفاظت کے ساتھ مدینہ پہنچا دے گا۔ یہ کہہ کر اس نے بچوّں کو رخصت کیا۔ بچّے چل پڑے تھوڑی دور گئے تھک گئے۔ اب چلنے کی سکت بھی نہ رہی۔ تھوڑا سا چلتے پھر بیٹھ جاتے۔ آخر کچھ دور جا کر پھر راستہ بھول گئے۔ پھر رات کی وہی خوفناک تاریکی۔ وہی سنسان جنگل اب تو رونے روتے آنکھیں بھی خشک ہو گئیں۔

اُدھر صبح ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ رات جہاں سے چلے تھے پھر اسی جگہ پر موجود ہیں۔ ذرا غور کرو۔ یہ کون ہیں۔ یہ کس کے جگر پارے ہیں۔

یہ کس کے دل کی راحت ہے۔ یہ کس کے نورِ نظر ہیں۔ ان کی ماں بھی انتظار کرتی ہوگی۔ ان کی بہن بھی اپنے ویروں کا راہ تکتی ہو گی۔ آج کسی ماں کا بچہ گم ہو جائے تو ماں کے آنسو نہیں تھمتے۔ بیٹے کی جدائی میں تڑپتی ہے مسجدوں میں اعلان کروائے جاتے ہیں اور وہ ماں یہ بھی جانتی ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد میرا بچہ مل جائے گا —— آیئے اُس ماں کا حوصلہ دیکھیں جس کے بیٹے اس بہن کا صبر دیکھیں جس کے بھائی قیامت تک کے لئے جدا ہو گئے۔

ہائے افسوس جب رات کا سناٹا چھا جاتا ہے تو کیڑے مکوڑے اور چرند و پرند تک بھی اپنی پناہ گاہوں میں سکون کر جاتے ہیں۔ لیکن آج خاندانِ نبوّت کے ان دو ننھے پھولوں کے لئے پناہ کی کوئی جگہ نہیں جب صُبح ہوئی، سُورج طلوع ہوا اور ہر طرف لوگوں کا آنا جانا شروع ہوا۔ تو کل کی گرفتاری یاد آگئی۔ بچے بے قرار ہو گئے۔ اب چھپنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کر رہے تھے۔ ہر طرف نظر دوڑائی۔ لیکن اس چٹیل میدان میں کوئی بھی جگہ نہ مل سکی۔ حیرانی اور مایوسی کے عالم میں دونوں بھائی بڑی حسرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کہاں جائیں۔ اور کیا کریں۔ تھوڑی ہی دور ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمارا آخری وقت آگیا ہے۔ تو ٹل نہیں سکتا چلو وضو کر کے نماز ادا کر لیں۔ چشمے کے قریب پہنچے تو ایک درخت نظر آیا۔ قریب ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ درخت میں کچھ جگہ ہے سوچا کہ اس میں چھپ جاتے ہیں اور دن گزار کر پھر چل پڑیں گے چنانچہ دونوں بھائی اس درخت کی کھو میں چھپ کر بیٹھ گئے۔

بچّے درخت کی کھوہ میں!

کوئی راہ گیر گزرتا تو دشمن سمجھ کر سہم جاتے۔ ذرا سی کوئی آواز آتی تو دل دھڑکنے لگتا۔ جب شام کا وقت ہوا تو کوفہ کی طرف سے پانی بھرنے کے لئے ایک لونڈی اس چشمہ پر آئی۔ جب پانی بھرنے کے لئے برتن کو پانی کی طرف نیچے کیا تو کیا دیکھتی ہے کہ اسے پانی میں کچھ سائے نظر آئے جب پلٹ کر دیکھا۔ تو دو ننھے بچّے درخت کی کھوہ میں سہمے ہوئے بیٹھے ہیں نورانی چہروں سے نور کی لاٹیں نکل رہی ہیں۔ لونڈی نے حیرانی کے عالم میں پوچھا۔ اے بچّو تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو۔ شہزادے ڈر گئے۔ کہ کہیں دشمن تو نہیں۔ خوف سے کانپنے لگے۔ لونڈی نے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ بچّو گھبراؤ نہیں، میں دشمن نہیں تمہارے گھر کی خدمت گزار ہوں۔ سچ بتاؤ کیا تم ہی امام مسلم کے یتیم ہو۔ یتیم کا لفظ سُن کر بچے تڑپ اٹھے اور گڑگڑا کر رونے لگے۔ لونڈی سمجھ گئی کہ واقعی یہ اہلِ بیت کے چشم و چراغ ہیں اور مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لختِ جگر ہیں۔ لونڈی کہنے لگی۔ بچّو نیچے اُتر آؤ۔ آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ۔ آؤ میرے دل میں بیٹھ جاؤ لونڈی کے اصرار پر بچّے درخت کی کھوہ سے باہر نکلے اور ہمدرد سمجھ کر اپنا سارا حال بیان کر دیا۔ لونڈی نے بچّوں کے آنسو پونچھے منہ دھلایا بالوں کا غبار صاف کیا اور دلاسہ دیتے ہوئے اپنی مالکہ کے گھر لے آئی۔ اس کی مالکہ بھی خاندانِ اہل بیت سے دل سے عقیدت رکھنے والی تھی۔ دونوں بچّوں کو اپنی مالکہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا یہ چمنستانِ زہراء کے دو پھول لے کر آئی ہوں۔ یہ امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند

ہیں۔ زہرا کے دلبند ہیں۔ یتیم ہیں، پردیس میں بے بس اور لاچار ہیں۔ آج ان کی یتیمی پر ترس کھانے والا کوئی نہیں۔ خاندانِ اہلبیت کے یہ دونوں لال خوف کے مارے درخت کی ایک کھوہ میں چھپے ہوئے تھے۔ جب مالکہ نے یہ ماجرا سُنا تو تڑپ اٹھی۔ پیار کے ساتھ بچوں کو گود میں بٹھالیا۔ زلفیں سنواریں۔ کھانا کھلایا اور ایک محفوظ کمرے میں بستر بچھا دیا۔ کہا بچو یہاں سو جاؤ۔ گھبراؤ نہیں۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھو۔ مجھے تو اپنی قسمت پر ناز ہے کہ میرے اس ٹوٹے مکان میں دونوں جہاں کی دولت آگئی۔ میری قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ کہا بچو جہاں تک ہو سکا میں تمہاری پوری پوری خدمت کروں گی۔ ادھر امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یتیموں کی تلاش میں دنیا کے لالچی کتے گلی گلی پھر رہے تھے۔ آدھی رات کا وقت ہوا تو گھر کی مالکہ کا شوہر حارث گھر آیا۔

جنتی بیوی جہنمی خاوند!

جب اس نے حالت دیکھی کہ کہیں دور سے تھکا ماندہ آیا ہے۔ بیوی نے پوچھا کیا وجہ ہے۔ اتنا پریشان کیوں ہے۔ حارث نے جواب دیا شاید تجھے علم نہیں کہ مسلم کے ساتھ اس کے دو بچے بھی آئے تھے۔ کئی دن ہو گئے اُن کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں، مگر ابھی تک کہیں ان کا سراغ نہیں مل رہا۔ حارث کی بیوی کہنے لگی۔ ارے ظالم ذرا ٹھنڈے دل سے سوچ۔ آلِ رسول کا خونِ ناحق بہا کر اپنی آخرت برباد نہ کر۔ بتا کل میدانِ محشر میں رسولِ خدا کو کیا منہ دکھائے گا۔ حارث کہنے لگا۔ شاید تجھے خبر نہیں کہ ابنِ زیاد کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ جو بھی انہیں پکڑ کر لائے

گا۔ اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ بیوی کہنے لگی۔ ارے بدبخت یہ دنیا کی دولت ختم ہو جانے والی ہے۔ اپنی آخرت کا فکر کر۔ حارث کہنے لگا مجھے نصیحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خاموش ہو جا۔ مگر بیوی کا دل دھڑک رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں بچوں کے متعلق اس بدبخت کو خبر نہ ہو جائے۔ اس نے جلدی آٹا گوندکر اپنے خاوند کے لئے روٹی پکائی اور اسے کھانا کھلا کر بستر بچھا دیا اور کہا کہ یہاں سو جا دنیا کا کتا اور دشمن اہلبیت اس چارپائی پر لیٹ گیا۔ ادھر بیوی کے دل میں رہ رہ کر بار بار یہ خیال آتا ہے۔ کہ اگر ان ہاشمی شہزادوں کو کچھ ہو گیا تو قیامت کے دن میں سیدہ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ دنیا قیامت تک مجھ پر لعنت بھیجے گی کہ میں نے نبی زادوں کے ساتھ دغا کیا۔ یا اللہ! مجھے اپنے محبوبوں کے عشق میں ثابت قدم رکھ۔ ادھر دونوں بچے ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر سوئے ہوئے ہیں۔ کہ اچانک خواب آئی اور باپ کو دیکھا تو چھوٹے بچے کی چیخ نکل گئی۔ اس دردناک آواز سے حارث کی آنکھ کھل گئی۔ ظالم نے بیوی کو جگا کر پوچھا۔ یہ بچوں کے رونے کی آواز کہاں سے آرہی ہے۔ اس نے ٹالتے ہوئے جواب دیا۔ سو جا ظالم کہیں پڑوسی کے گھر کوئی بچہ رو رہا ہوگا۔ مگر اس سنگدل نے غضب میں آکر کہا پڑوس سے نہیں بلکہ ہمارے ہی گھر سے یہ آواز آرہی ہے۔ مجھے تو وہی مسلم کے بچے معلوم ہوتے ہیں۔ جن کی تلاش میں کئی دن سے گلی کوچوں اور بازاروں میں پھیر رہا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے اٹھا اور اس کوٹھری کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ تالا توڑ کر دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ چراغ جلانے کی ضرورت نہیں

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے دو چاند آپس میں لپٹے ہوئے ہیں اور ان شہزادوں کے رخساروں سے نور کی لاٹیں نکل رہی ہیں۔ کیونکہ

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا ؎
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

کر خت لہجے میں دریافت کیا تم کون ہو، بچے سہم گئے۔ چونکہ وہ اس گھر کو اپنے لئے دار الامان سمجھتے تھے۔ اس لئے فوراً بتا دیا کہ امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یتیم بچے ہیں۔ یہ سُنا کہ ظالم غصے سے دیوانہ اور پاگل ہو گیا۔ آگے بڑھا اور نہایت ہی بے رحمی کے ساتھ ان ہاشمی شہزادوں کے رخساروں پر طمانچے مارنے لگا۔ اُسے یتیم بچوں پر کوئی ترس نہ آیا۔ شہزادے تڑپ اٹھے۔ بیوی دوڑی اور درمیان میں حائل ہو گئی۔

بچوں کی آہ و بکا!

کہنے لگی، ارے ظالم ان یتیموں کو نہ ستا۔ ارے یہ فاطمہ کے راج دلارے ہیں۔ ارے یہ نبی کی اولاد ہیں۔ ان کی چاند جیسی صورتوں پر ترس کھا ؎

ارے سیّد ہیں یہ سیّد ہیں طمانچے نہ لگا
ارے قرآن کے ورقوں کو زمیں پہ نہ گرا
بس ارے بس کہ زمیں اب تو ہلی جاتی ہے
مجھے فاطمہ اب غمگین نظر آتی ہے

بیوی کہنے لگی۔

اٹھانہ ظالم جفا کے لئے
رحم کر بے کسوں پر خدا کے لئے
چھوڑ دے بخش دے مصطفےٰ کے لئے
کیوں یتیموں کے دل کو دکھانے لگا

مگر اس پتھر دل پر کچھ اثر نہ ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو اتنے زور سے ٹھوکر ماری کہ وہ پتھر کے ایک ستون سے ٹکرا کر لہو لہان ہو گئی۔ ظالم حارث نے بچوں کو زلفوں سے پکڑا اور گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا۔ بیوی زخمی ہونے کے بعد ایک بار پھر اُٹھی اور کہنے لگی۔ ظالم نبی زادوں کی زلفیں چھوڑ دے۔ ان بے گناہ مسافروں کو کہاں لے جا رہا ہے۔ دشمنی ہو گی تو بڑوں سے۔ مگر ان معصوموں کا کیا قصور ہے۔ اسی طرح لونڈی نے بھی فریادیں کیں۔ کہ ظالم قصور تو میرا ہے کہ میں ان یتیموں کو اپنے ساتھ لے آئی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ تو ان کے ساتھ ایسا سلوک کرے گا۔ انہیں چھوڑ دے ان کا پردیس میں کوئی حامی و مددگار نہیں۔ تو ان پر رحم کر خدا تجھ پر رحم کرے گا۔ لونڈی کی باتیں سُن کر ظالم اور بھی لال پیلا ہو گیا۔ اس پر بھی تلوار کا وار کیا اور اُسے بھی زخمی کر دیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اب دریائے فرات نظر آنے لگا۔ آخر ظالم حارث دونوں بچوں کو نہر فرات پر لے گیا جونہی نیام سے تلوار نکالی مظلوم بچوں نے اپنے ننھے منے ہاتھ اٹھا کر رحم کی درخواست کی لیکن اس دنیا کے کُتّے کو ان ننھی جانوں پر کوئی ترس نہ آیا اور تلوار لیکر بچوں کی طرف بڑھا۔

شہادت محمدؐ و ابراہیم!

چھوٹے پر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ بڑا بھائی چیخ اٹھا۔ خدا کے لئے پہلے

مجھے شہید کر دیں اپنے چھوٹے بھائی کو تڑپتا نہیں دیکھ سکتا۔ جب وہ بڑے کی طرف گیا تو چھوٹا پکار اٹھا ارے ظالم پہلے مجھے قتل کر۔ کیونکہ میرے بعد میرا سہارا بھی میرا بھائی ہے۔ آخر کار دونوں آپس میں بغل گیر ہو گئے ظالم کی تلوار اٹھی اور سیدزادوں پر برسی۔ دونوں کے سر تن سے جدا کر دیئے اور فرات میں بہا دیئے۔ اے محمد و ابراہیم۔ اے امام مسلم کے فرزندو، اے انتظار میں رہنے والی اس پاک ماں کے نورِ نظرو۔ تمہاری روحوں کو سلام ہو۔ کہ تمہارے مقدس خون کی سرخی سے آج تک گلشنِ اسلام کی بہاریں قائم ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؁

کھل کے گُل کچھ تو بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

وآخر دعونا عن الحمد للّٰہ رب العالمین

(روضۃ الشہداء) (سوانح کربلا) (اوراقِ غم) (شہید ابن شہید) (شہادت نواسہ سید الابرار) (زلف و زنجیر)

○

شہید زندہ ہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْنَ اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَاَصْحَابِہِ الْمُکَرَّمِیْنَ الْمُعَزَّزِیْنَ ۔ اَمَّا بَعْدُ ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿﴾

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ بَلَّغَنَا رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ ط

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں محبت کے ساتھ ہدیہ درود و سلام پیش کریں۔

حضراتِ محترم!

میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید، فرقانِ حمید کی ایک آیۂ کریمہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عظمتِ شہداء

کو بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ رب کائنات نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (پ۲)

اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے رستے میں قتل کیے جائیں۔ انہیں مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم اُن کی زندگی کو سمجھ نہیں سکتے۔

قرآن مجید کے دوسرے مقام میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ پ۴

اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جائیں۔ انہیں مردہ گمان بھی نہ کرو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں اور جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دیا۔ اس پہ خوش ہیں۔

معزز سامعین کرام!

پہلی آیۂ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں اپنی زبان سے مردہ نہ کہو۔ دوسری آیۂ کریمہ میں فرمایا گیا کہ انہیں زبان سے مردہ نہ کہنا تو درکنار ان کے مردہ ہونے کے متعلق گمان بھی نہ کرو۔ ذہن سے سوچو بھی نہ تصور بھی نہ کرو کہ وہ مُردہ ہیں۔

آیئے! سب سے پہلے دیکھیں کہ شہید کسے کہتے ہیں۔

شہید کسے کہتے ہیں؟

شہید کا معنیٰ ہے گواہی دینے والا۔ گویا جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ وہ قیامت تک اسلام کا گواہ بن گیا کوئی لڑائی جھگڑا ہو تو اُس میں گواہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ مقدمہ کا دارومدار گواہ پر ہوتا ہے۔ گواہ سچا تو مقدمہ سچا۔ گواہ جھوٹا تو مقدمہ بھی جھوٹا اور پھر جب مقدمہ توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی کا وقت آیا تو امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے قلم کی سیاہی سے نہیں بلکہ اپنے چھ ماہ کے اصغر کے لہُو سے دستخط کیئے۔ علاوہ اس کے ہر مقدمہ میں مدعی کو اپنے گواہ سے بے حد محبت ہوتی ہے وہ اپنے گواہ کے متعلق کوئی برائی سننے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب شہید اپنی جان راہِ خدا میں قربان کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔

حضرات محترم!

شریعتِ مطہرہ میں موت کی تمنا بری ہے اور حرام ہے۔ مگر شہادت تو عین عبادت ہے۔ اسی لئے تو خلیفۃ المسلمین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ دُعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ مجھے شہادت کی موت نصیب فرما۔ کیونکہ جب شہید کی گردن پر تلوار چلتی ہے تو اس وقت شہید کی آنکھوں کے سامنے جلوۂ حسنِ یار ہوتا ہے اور اس وقت شہید کی حالت زنانِ مصر کی ہو جاتی ہے کہ ہاتھ تو کٹ رہے ہیں۔ مگر

کوئی خبر نہیں۔ اسی لیے تو شہید کو نہ مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ ہی دنیا کے جاہ و جلال کی،

بلکہ صرف،

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن

نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

کیونکہ میدانِ جہاد میں قتل ہونے والے مسلمان اگرچہ دنیا والوں کی نظروں سے مر جاتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں۔ مگر دینِ اسلام میں وہ حیاتِ ابدی پا جاتے ہیں۔ اس لئے کہ شہید کا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ جس کے لئے وہ اپنا تن، من، دھن اپنا مال و منال اور جان سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔

؎ شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اور راہِ خدا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے کے عشق و محبت کا تقاضا بھی یہی ہوتا ہے۔ کہ

؎ جے یار دے ناں دا ملے میہنا جھولی پا لیئے تھلے سٹیئے ناں
جے سوہنے دے ناں دی ملے سُولی چُوما ے لیئے پچھاں ہٹیئے ناں

شہادت کی قسمیں!

شہادت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ شہادتِ حقیقی۔
۲۔ شہادتِ حکمی۔

جو ظلماً قتل کیا جائے اسے شہادت حقیقی کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ باقی شہادتیں حکمی کہلاتی ہیں اور شہید حکمی وہ ہیں۔ جنہیں شہادت کا ثواب دے دیا جائے۔ ان لوگوں کا حشر شہداء کے ساتھ ہوگا۔ مگر ان شہیدوں پر احکامِ شرعیہ جاری نہیں ہوتے۔ شہادتِ حکمی کیا ہے۔ اس کے متعلق ایک حدیث پاک سُنیئے۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ۔ اَلشَّهَادَةُ سَبْعٌ۔ سِوَى الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَلْمَطْعُوْنُ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ، وَصَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيْدٌ۔ وَالْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ، وَصَاحِبُ الْحَرِيْقِ شَهِيْدٌ۔ وَالَّذِيْ يَمُوْتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيْدٌ، وَالْمَرْاَةُ تَمُوْتُ بِجُمْعٍ شَهِيْدٌ۔

(مشکوٰۃ شریف ص۱۳۶)

حضرت ابنِ عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جانے کے سوا۔ سات شہادتیں اور ہیں۔ (۱) طاعون والا شہید ہے (۲) ڈوبا ہوا شہید ہے (۳) ذات الجنب کی بیماری والا (جس میں پسلیوں پر پھنسیاں نمودار ہوتی ہیں) شہید ہے۔ (۴) پیٹ کی بیماری والا شہید ہے (۵) آگ والا شہید ہے۔ (۶) دب کر مرنے والا شہید ہے (۷) عورت دورانِ ولادت مر جائے تو شہید ہے۔

ان تمام اشخاص کو حکماً شہید مانا جائے گا۔ لیکن حقیقی شہید وہی ہے جو اللہ کی راہ میں ظلماً مارا جائے۔

حضرات محترم!

سوال یہ ہے کیا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ظلم ہوا یا نہیں میں کہتا ہوں اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہو سکتا ہے۔ کہ جس نبی کا کلمہ پڑھا۔ اسی کے خاندان پر ظلم و تشدد کے پہاڑ ڈھائے گئے۔ اہلِ بیت اطہار کو گلی گلی پھرایا۔ پانی بند کیا۔ امام کی آنکھوں کے سامنے قاسم کی جوانی پر تیروں اور تلواروں کی بارش ہوئی اور جوان علی اکبر کی لاش پر گھوڑے دوڑائے گئے۔ امام عالی مقام کے ہاتھوں میں معصوم چھ ماہ کے علی اصغر کے حلق پر تیر چلایا گیا۔ سارے کا سارا کنبہ عزیز و اقارب اور رفقاء کے راہِ خدا میں قربان ہو جانے اور پھر خود بھی بحالت نماز جامِ شہادت نوش فرما کر سرِ اقدس کے نیزے کی انی پہ سوار ہو جانے کے بعد حسین صرف شہید ہی نہیں۔ بلکہ شہیدوں کے سردار ہیں۔

کون آقا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جس کا نانا سیّد الانبیاء ہو۔ باپ سیّد الاولیاء ہو۔ ماں سیّدۃ النساء ہو۔ وہ خود کیوں نہ سیّد الشہداء ہو۔

حضرات!

قرآن مجید کی شان حسین نے بیان کی اور حسین کی عظمت قرآن نے بتائی حسین نے کہا قرآن ہمارا ہے۔ قرآن نے کہا حسین میرا ہے۔ حسین نے کہا قرآن زندہ ہے اور قرآن نے کہا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط حسین زندہ ہے۔

حسن و حسین کا کشتی لڑنا:

ایک دن سیّدنا امام حسن اور سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

کشتی لڑنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ آپ نے حسن کو فرمایا۔ بیٹا حسن حسین کو بازو سے پکڑو۔ حسین کو ٹانگ سے پکڑو۔ ذرا زور سے پکڑو یعنی آپ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کشتی کا طریقہ کار بتا رہے تھے۔ یہ منظر سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی دیکھ رہی تھیں۔ سیدہ نے عرض کی ابا جان آپ حسن کو تو طریقہ بتا رہے ہیں۔ مگر حسین کو نہیں۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ بیٹی تجھے پتہ نہیں۔ حسن کو میں بتا رہا ہوں اور حسین کو جبریل علیہ السلام بتا رہے ہیں۔

(شواہد النبوت صفحہ ۳۰)

مقامِ حسین!

آئیے مقامِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر توجہ فرمائیں۔ ایک روز سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس حال میں تھے۔ کہ دائیں بازو پر اپنے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بٹھائے ہوئے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالیٰ ان دونوں کو آپ کے پاس نہ رہنے دے گا۔ ایک کو اپنے پاس بلالے گا۔ لہذا ان دونوں میں سے آپ جسے چاہیں پسند فرمالیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ابراہیم چلے جائیں، تو صرف مجھے ہی رنج ہوگا۔ لیکن اگر حسین رخصت ہو جائیں۔ تو میری بیٹی فاطمہ بھی غمزدہ ہوگی اور شیرِ خدا بھی پریشان ہوں گے۔ لہذا مجھے خود تو غمناک ہونا منظور ہے۔ مگر فاطمہ کو پریشان نہیں دیکھ سکتا اور پھر اس واقعہ کے تین دن بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ جب بھی حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور فرماتے کہ یہ میرا حسین ہے۔ جس پر میں نے اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قربان کر دیا۔ (شواہد النبوت صفحہ ۳۰)

حضراتِ محترم!

وہ حسین جس کی معاونت جبریل علیہ السلام کریں۔ وہ حسین جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا بیٹا قربان کریں اور حسین کی جدائی برداشت نہ کریں۔ خود تو غمزدہ ہو گئے اور بیٹی کا غمناک ہونا برداشت نہ کیا۔ جس کو نبی نے کہا حسین میرا ہے۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں حسین میرا ہے۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں حسین میرا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہتے ہیں حسین ہمارا ہے —— ہم کہتے ہیں حسین ہمارا ہے —— زمین والے کہتے ہیں حسین ہمارا ہے —— آسمان والے کہتے ہیں حسین ہمارا ہے —— ساری خدائی کہتی ہے حسین ہمارا ہے —— جب عظمتِ اسلام کے لئے کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں زخموں سے چور چور ہو کر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلواروں کے سائے تلے سجدہ کیا اور نیزے کی نوک پر چڑھ کر دنیا والوں کو قرآن سنایا تو خود خدا تعالیٰ نے بھی فرمایا حسین میرا ہے ——

حضراتِ گرامی!

جس حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا بیٹا قربان کر کے سیّدہ کو رنجیدہ نہ ہونے دیا اور وہ ظالم یزید جس نے حسین کو اتنا ستایا کہ آج تک اتنا کوئی ستایا نہ گیا۔ وہ کل قیامت کے دن نبی کے سامنے کیسے اُمتی ہونے کا مُنہ لیکر جائے گا۔ اور یزید پلید کے حامی یزید کو حق پہ اور نعوذ باللہ حسین کو باغی کہنے والے رسولِ خدا کو کیا جواب دیں گے۔ کیا وہ حسین سے نہیں کہ وہ کس کا نواسہ ہے۔ کس کا لختِ جگر اور کس کا نورِ نظر ہے کیا جب حسین کا گھر لُٹا تو قبر میں سیّدہ کی رُوح نہ تڑپی ہو گی۔ کیا جب حسین کے گلے پر خنجر چلا تو سبز گنبد میں خود مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمزدہ نہ ہوئے ہوں گے

کیا کل قیامت کے دن رب تعالیٰ انہیں معاف کرے گا۔ جنہوں نے اس کے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آلِ اطہار کو دھوکہ سے بلا کر ظلم کیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کربلا میں کیوں گئے۔

مسلمانوں سُنو! اگر امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ چھوڑ کر میدانِ کربلا میں سارے کا سارا کنبہ قربان کر کے خود بھی نیزے کی نوک پر نہ چڑھ جاتے، عین ممکن تھا کہ یزید کے فسق و فجور اور اس کی اسلامی بے راہ روی کے باعث آج

نہ ایمان ہوندا نہ قرآن ہوندا　　نہ ایہہ دین اسلام دی نشان ہوندی
نہ طریقت شریعت نماز روزہ　　نہ اَج مسجداں وچہ اذان ہوندی
جے نہ وسدا مینہ شہادتاں دا　　کائنات ایتھے بیابان ہوندی
نہ کوئی دلاں وچہ جذبہ جہاد ہوندا　　نہ مجاہداں دی عزت آن ہوندی
ایہہ سب صدقہ حسین دے صدقیاں دا　　نبیؐ نے بنی دی بستی ویران ہوندی
جے نہ مشکلکشا دا لال ہوندا　　کوئی مشکل نہ کدی آسان ہوندی

معززسامعین کرام!

امام عالی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کربلا میں ملوکیت کو ختم کرنے اور آمریت کو مٹانے کے لئے گئے اور دین کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دے کر کنارے لگانے کے لئے گئے اور اسلام کی بجھتی ہوئی شمع کو اپنے خون سے ہمیشہ کے لئے جلانے گئے۔ امام عالی مقام نے دین اسلام کے لئے اعلاء کلمۃ الحق اور رضاءِ الٰہی کے لئے اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے قاسم و عباس کا خون دیا۔ علی اکبر و علی اصغر کا خون دیا۔ عزیز و اقارب اور اپنے رفقاء کا خون دیا اور پھر اپنا بھی نذرانہ پیش کر فرمایا۔ یہ سب خون جمع کر کے میں چاہتا ہوں کہ ایک ایسا چراغ جلے، دنیا کے چراغ بجھ جائیں۔ مگر یا اللہ تیرے دین کا چراغ نہ بجھے۔ انشاء اللہ دین کا

چراغ نہیں بجھے گا۔ بو بو اسلام کا چراغ نہیں بجھے گا۔ شریعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا چراغ نہیں بجھے گا۔ کیونکہ حسین کا چراغ نہیں بجھے گا۔

خون سے جس نے چراغِ حق جلایا وہ حسین
اور خنجرِ قاتل کے نیچے مسکرایا وہ حسین

معزز سامعین

اس ضمن میں میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں کہ غمِ حسین میں رونا عبادت ہے اور گناہوں کا کفارہ ہے۔

غمِ حسین میں رونا!

جب حضرت امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت کی مبارک دینے کے لئے زمین پہ آئے تو انہوں نے زمین پر پڑے ہوئے ایک فرشتے کو دیکھا جو زار وقطار رو رہا تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اُس کے پاس آکر اُسے پہچانا تو وہ تیسرے آسمان کا فرشتہ فطرس تھا۔ جس کے زیرِ فرمان ستر ہزار فرشتے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اسے اس حال میں دیکھ کر فرمایا۔ اے فطرس یہ تیری کیسی حالت ہے۔ فطرس نے کہا! اے روح الامین، رب تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا ارشاد فرمایا تو مجھ سے اس میں تھوڑا سا تساہل اور سستی ہو گئی۔ اس پر غیرتِ خداوندی کی بجلی نے میرے بال و پَر جلا دیئے کل میں مسندِ عزت پہ تھا اور آج ذلیل و خوار ہوں۔ پھر فطرس نے کہا، اے جبریل آپ کہاں جا رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا۔ میں حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بچے حسین کی مبارک باد

پیش کرنے جارہا ہوں۔ فطرس نے روتے ہوئے کہا۔ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ ہو سکتا ہے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میری سفارش فرمادیں۔ اور مجھے میرے بال و پر مل جائیں اور میں اپنے مقام پر چلا جاؤں۔ جبریل علیہ السلام اسے ساتھ لے کر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوگئے اور بعد از سلام فطرس کے بارے میں عرض کی۔ اس وقت آپ نے حسین کو گود میں اٹھا رکھا تھا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے فطرس اٹھ اپنے جسم کو میرے حسین کے جسم سے مل لے۔ فطرس نے آگے بڑھ کر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم اقدس کے ساتھ اپنا جسم مس کیا۔ تو اسی وقت اسے بال و پر مل گئے اور وہ اپنی عبادت گاہ میں واپس چلا گیا۔ بعد ازاں جب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت واقع ہونے کے بعد اسے اس حادثہ کا علم ہوا تو اس نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی۔ الٰہی کیا ہی اچھا ہوتا اگر مجھے اس امر کی خبر دی جاتی اور میں اپنے ساتھیوں کو لے کر زمین پر جاتا اور حسین کے دشمنوں سے جنگ کرتا۔ خالق کائنات نے فرمایا اگر تجھے وہ موقعہ میسر نہیں آسکا تو اب اپنے تابع فرمان ستر ہزار فرشتوں کو لے کر مزار حسین پر چلا جا اور دن رات رو رو کر اپنے آنسوؤں کا ثواب اُن لوگوں کو پہنچاتے رہنا۔ جو غم حسین میں گریاں کناں ہوں گے۔ چنانچہ فطرس زمین پر آگیا اور اس کام میں مصروف ہو گیا۔ جس کا اسے حکم فرمایا گیا تھا۔ (روضۃ الشہداء صـ۲ ج ۲)

حضرات! جیسا کہ میں نے پچھلے جمعۃ المبارک میں یہ عرض کیا تھا کہ حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کوفہ کی طرف آنے کا خط لکھا تھا۔ جس میں کوفہ والوں کا والہانہ استقبال ان کی

عقیدت و محبت اور پے در پے بیعت کا سلسلہ تحریر تھا۔ کہ یا امام کوفہ والے ہمارے ساتھ ہیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ پہلے ہی دن چالیس ہزار کوفی میرے ہاتھ پر آپ کی بیعت کر چکے ہیں۔ لہٰذا آپ جلد از جلد کوفہ تشریف لے آئیں جونہی یہ خط حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موصول ہوا۔ آپ نے فوراً تیاری کی اور بجانب کوفہ چل پڑے۔

قافلہ بجانبِ کوفہ!

اہل بیت کا یہ مقدس قافلہ بڑی ہی عاجزی و انکساری اور صبر و تحمل کے ساتھ آہستہ آہستہ منزلیں طے کرتا ہوا اپنی مقصودِ منزل کی طرف جا رہا تھا یہاں تک کہ قافلہ صفاح کے مقام پر پہنچا۔ یہاں فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرزدق سے کوفہ والوں کے حالات دریافت کئے۔ فرزدق کہنے لگا۔ حضور کوفہ نہ جائیں۔ کوفہ والے مخلص نہیں ہیں۔ جب آپ نے فرزدق سے یہ جواب سنا۔ تو آپ نے فرمایا۔ جو کچھ بھی ہے۔ بس اب آگیا ہوں واپس نہیں جاؤں گا۔ قافلہ پھر چل پڑا اہل بیت اطہار کا یہ مقدس قافلہ یادِ الٰہی کرتا ہوا منزل کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ثعلبہ کا مقام آگیا۔ یہاں بکر اسعدی سے ملاقات ہوئی اور اس نے بھی آپ کو واپس جانے کا مشورہ دیا۔ غرضیکہ راستہ میں کئی شخص ملے آپ نے ان سب کو یہی جواب دیا۔ کہ حسین راستہ سے ہٹنے نہیں آیا بلکہ بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھانے آیا ہے۔ لوگوں نے کہا حسین آپ کے لئے بہتری ہے کنارہ کشی کرو۔ آپ نے فرمایا میں کنارہ کشی کرنے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ دین و اسلام کی کشتی کو کنارے لگانے آیا ہوں۔

خبر شہادت امام مسلم

دریں اثنا ر آپ کو اپنے چچازاد بھائی حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور ان کے دونوں شہزادوں محمد اور ابراہیم کی شہادت کی خبر ملی۔ جب آپ نے سُنا تو تڑپ اُٹھے۔ ہائے افسوس کہ میرے بھائی میرے لئے جان دے گئے۔ اور اپنے دونوں بچوں کو بھی قربان کر دیا۔ دل پہ ایک دردناک اور المناک چوٹ لگی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ نگاہ اٹھا کر جب مسلم کی یتیم بچی کو دیکھا تو سینے سے لگا لیا۔ بچی نے عرض کی چچا جان آپ روتے کیوں ہیں۔ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بیٹی۔ آج سے تم مجھے چچا نہیں بلکہ باپ کہہ کر پکارا کرو۔ بچی سمجھ دار تھی پوچھنے لگی چچا جان بے شک آپ میرے باپ کے بھائی میرے لئے باپ کی جگہ ہیں۔ لیکن کیا میرے ابّا جان مجھ سے جدا ہو گئے ہیں۔ آپ نے آہیں بھرتے ہوئے سسکیاں لیتے ہوئے اور یتیم بچی کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے۔ فرمایا صبر کرو۔ مجھے ابھی خبر ملی ہے کہ ظالموں نے تیرے باپ کو شہید کر دیا ہے۔ بچی نے سُنا تو آہ و بکا کرنے لگی۔ امام عالی مقام نے دلاسہ دیا۔ عرض کی چچا جان کیا میرے بھائی فرمایا۔ بیٹی انہیں بھی ظالموں نے شہید کر دیا ہے۔ جب بزرگ ناتواں دردوں کی ماری اپنے باپ اور ویروں سے جدا اکیلی رہ جانے والی یتیم بچی بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا۔ فرمایا بیٹی! صبر کرو۔ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ۝ خدا تعالیٰ کو ایسے ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا قبول کرو۔ یہی ہمارا مشن ہے۔ اس کے بعد قافلہ پھر روانہ ہوا اور حر بن ریاحی سے ملاقات ہوئی۔

امام کی حُر سے مُلاقات!

جو کہ ابن زیاد کی طرف سے تقریباً ایک ہزار فوجی دستہ لئے ہوئے آپ کی طرف آیا۔ اُس نے بھی آپ کو واپس چلے جانے کا مشورہ دیا۔ اس نے عرض

کی یا امام میں خود نہیں آیا ۔ ابنِ زیاد نے بھیجا ہے ۔ ورنہ خدا تعالیٰ مجھ پہ ایسا وقت ہرگز نہ لائے کہ میں آپ کو گرفتار کرنے کی گستاخی کروں ۔ میری تو یہی گذارش ہے کہ آپ اپنے عزیز و اقارب اور ساتھیوں کو لے کر کسی ایسے مقام میں چلے جائیں جہاں ابنِ زیاد کو خبر نہ ہو ۔ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ۔ میں حق و صداقت کے علم کو بلند کرنے جا رہا ہوں ۔ لہٰذا اعلائے کلمۃ الحق کے لئے میں سب کچھ قربان کر سکتا ہوں ۔ مگر نانے کے دین کی توہین برداشت نہیں کر سکتا ۔ قافلہ پھر چلا ۔ رات کا وقت تھا کہ سواریاں چلتی چلتی رک گئیں ۔ حضرت امام عالی مقام نے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے ۔ جواب ملا اسے کربلا کہتے ہیں ۔

قافلہ کربلا میں !

آپ نے فرمایا پھر سواریوں سے اُتر جاؤ ۔ جس جگہ کی پیشگوئی زبانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی ۔ وہ مقام آگیا ہے ۔ چنانچہ ۲ محرم الحرام ۶۱ھ کو اہل بیت کا قافلہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں میدانِ کربلا میں پہنچا اور خیمے لگا دیئے گئے ۔ ۷ محرم الحرام کو اہل بیت پہ پانی بند کر دیا گیا ۔ راستے کی کٹھن منزلوں کا سفر، بھوک اور پیاس کی شدت باوجود ان سب چیزوں کے پھر بھی زبان پہ کلمہ شکر ہے ۔ اہل بیت کے خیموں میں تلاوتِ قرآن مجید جاری ہے اور دلوں میں رضائے خداوندی پہ اطمینان ، اور سب کی زبان پر یہی ہے کہ مولیٰ جیسے تیری رضا ، ویسے ہماری رضا اور پھر وہ وقت بھی آگیا ۔ کہ محرم کی ۹ تاریخ گزر گئی اور دسویں رات آگئی ۔ حالات کے پیشِ نظر ۔

اہلبیت پر آخری رات!

امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیموں میں تشریف لائے۔ آپ نے تمام خیموں والوں کو مخاطب کر کے فرمایا غور سے سن لو۔ اب موت بالکل یقینی ہے۔ جو کچھ صبح ہونے والا ہے میں جانتا ہوں۔ تمہاری جانثاری اور وفاداری کا شکریہ لہذا میں تم سب کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ تم اپنی قیمتی جانیں بچالو۔ اور تم جہاں کہو میں تمہیں وہاں پہنچا دیتا ہوں۔ اے بہن زینب تو بھی اپنے بچے ساتھ لے لے اور چلی جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تو بھی اپنی گود برباد کرے۔ اے شہر بانو تم بھی اپنے بچے لے لو اور چلی جاؤ۔ اے میرے وفادار ساتھیو سن لو۔ اب حسین کے پاس سوا موت کے اور کچھ نہیں۔ یزید کے ساتھ جھگڑا ہے تو میرا۔ وہ بیعت مانگتا ہے تو مجھ سے قصور ہے تو میرا اب وقت ہے اور میری طرف سے تم سب کو اجازت ہے کہ صبح ہونے سے پہلے یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ امام عالی مقام کی یہ تقریر سن کر آپ کے تمام رفقاء و احباب اور آلِ رسول نے بیک آواز کہا قبلہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم آپ کو دشمنوں کے ہجوم میں چھوڑ کر چلے جائیں یا امام یہ جان تو دے دیں گے۔ لیکن آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اگر آج ہم امام برحق کا ساتھ چھوڑ کر میدانِ کربلا سے چلے جاتے ہیں تو کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا منہ دکھائیں گے اور دنیا والوں کو کیا جواب دیں گے جب امام نے اپنے ساتھیوں کے پختہ ارادے کو جانچ لیا تو آپ نے اپنے رفقاء اور اہل بیت کو حکم دیا۔ کہ تمام ساتھی عبادتِ خداوندی میں مشغول ہو جائیں۔ چنانچہ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد سیدنا امام حسین رضی اللہ

تعالیٰ عنہٗ اور دیگر آپ کے ساتھی نہایت ہی عاجزی و انکساری اور پورے خلوص کے ساتھ عبادتِ خداوندی میں مشغول ہو گئے۔ سننے والے کہتے ہیں کہ ساری رات آلِ رسول کے خیموں سے تلاوتِ قرآن مجید کی آوازیں آتی رہیں۔ جب تہجد کا وقت ہوا۔ تو ابنِ علی اُٹھے۔ اور نوافل ادا کئے۔ میرے امام نے نفل پڑھنے کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی یا اللہ حسین کی لاج رکھنا۔ یا اللہ مجھے استقامت عطا فرمانا اور پھر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ نانا جان بھی دعا مانگ رہے ہیں۔ کہ اے اللہ میرے حسین کو صبر عطا فرما۔ پھر وہ وقت بھی آگیا کہ دسویں محرم جمعہ کا قیامت نما دن طلوعِ فجر کا وقت ہوا۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا اور شہزادہ علی اکبر نے اذان پڑھی۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کربلا کے میدان میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہوئے۔ تو آقا حسین نے میدان کی طرف دیکھا۔ عقل نے کہا۔ حسین آگے نہ بڑھنا آگے موت ہے۔ عشق نے کہا حسین رضاءِ الٰہی کے لئے مرنا موت نہیں حیات ہے اور فنا نہیں بقا ہے۔

عقل اور عشق!

عقلاں تے عشق دا جوڑ ویکھو!!
عقل ہٹاؤندی عشق ہٹکیندا ای نئیں

عقل آکھیا سولی چڑھا دیسن — تینوں سولی دا بھجہ نا دسیندا ای نئیں
عشق آکھیا سولی ضرور چڑساں — بناں سولی دے یار منیندا ای نئیں
عقل آکھیا پانی تیرا بند کرسن — عشق آکھیا مینوں ہو نیندا ای نئیں

عقل آکھیا کربلا نہ جاویں — عشق آکھیا مینوں سنیدا ای نئیں
عقل کہیا حسین نہ جا اگے — اگے موت پئی للکرے ماردی اے
عشق کہیا حسین نہ مڑیں پچھے — زہرا پاک دی روح پکاردی اے
عقل کہیا حسین نہ جا اگے — تتی ریت دشت کربلا دی اے
عشق کہیا حسین نہ مڑیں پچھے — کھلی ہوئی جھولی مُصطفےٰ دی اے
عقل کہیا حسین نہ جا اگے — تیرا قافلہ لٹیا جاونا ایں
عشق کہیا حسین نہ مڑیں پچھے — نال باطل دے توں اَج ٹکراونا ایں
عقل کہیا حسین نہ جا اگے — تیر اکبر دے سینے تے وجناں ایں
عشق کہیا حسین نہ مڑیں پچھے — پردہ نانے دی اُمت دا کجناں ایں
عقل کہیا حسین نہ جا اگے — گریباں ہوسی اَج چاک تیرا
عشق کہیا حسین نہ مڑیں پچھے — کر رہی اے جنت انتظار تیرا

اور پھر

عشق دی ریت سارے جہاں توں جُدا
نہ ایہہ راہ ویکھدا نہ گراہ ویکھدا!
جتھے چاہندا جُھکا دیندا عاشق دا سر
نہ ایہہ کعبہ تے ناں کربلا ویکھدا

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عاشق سولی حقیقی جیہڑے — نے قتل محبوب دے منّے ہُو
عشق نہ چھوڑے مکھ نہ موڑے — توڑے تلواراں کھنے ہُو
جت ول ویکھے راز ماہی دا — اے تاں جاوے اوسے پاسے ہُو
بر سچا عشق حسین دا باہو — سر دیوے راز نہ بھنے ہُو

حضرات محترم!

بس عرض کر رہا تھا کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدان کی طرف دیکھا کہ ہر طرف غم واندوہ کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ میدانِ کربلا کے ذرّہ ذرّہ میں اداسی چھائی ہوئی ہے۔ ہر طرف ناامیدی کی فضا ہے۔ سورج طلوع ہوا۔ تیز دھوپ اور گرم ہوائیں چلنے لگیں۔ آج تین دن ہوگئے کہ نبی کی آل پہ پانی بند کر دیا گیا ہے بھوک اور پیاس سے جسم کمزور ہو چکے ہیں۔ مگر پھر بھی چمنستانِ زہراء کے پھول ابھی تک تر و تازہ ہیں۔ اس لئے کہ

محمد مصطفٰے کے باغ کے سب پھول ایسے ہیں
جو بِن پانی کے تر رہتے ہیں مُرجھایا نہیں کرتے

جنگ کا نقارہ بجنے ہی والا تھا۔ یزیدی فوج میں تیس ہزار کا مسلح لشکر صفیں باندھے اپنی تلواریں اور نیزے حرکت میں لا چکے ہیں۔ اُدھر قوم اشقیاء میں تیس ہزار کا لشکر اِدھر سپاہِ حسینی میں صرف ۷۲ تن پر مشتمل ایک قلیل سی جماعت جن میں ۳۲ سوار اور ۴۰ پیدل تھے۔ اور علم سیّدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ ایک طرف شیطانی تھے، ایک طرف رحمانی یوں سمجھیں کہ۔

اُدھر مردود ہیں ــــــ اِدھر صاحبِ درود ہیں ــــــ اُدھر یزیدی ہیں ــــــ اِدھر مجیدی ہیں ــــــ اُدھر کثرت ہے ــــــ اِدھر وحدت ہے ــــــ اُدھر زحمت ہے ــــــ اِدھر رحمت ہے ــــــ اُدھر شمر لعین ہے ــــــ اِدھر نورِ مبین ہے ــــــ اُدھر نصر سقر ہے ــــــ اِدھر خلدِ بریں ہے ــــــ اُدھر مکرِ جہاں ہے

ادھر سجدۂ خدا ہے۔ جب امام عالی مقام نے دشمن کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ تو آپ سمجھ گئے کہ اب نانا جان کی حدیث پوری ہونے کا وقت آگیا ہے۔ مدینے کی طرف منہ کر کے عرض کی یا رسول اللہ اب حسین کا امتحان شروع ہونے والا ہے۔ نگاہِ کرم فرمانا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس امتحان میں کامیابی عطا فرمائے۔ لشکرِ یزید کی طرف سے جنگ کا نقارہ بجا دیا گیا۔ اب امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتمامِ حجت کے لئے کوفیوں کو مخاطب کر کے ایک خطبہ دیا۔

میدانِ کربلا میں خطبہ امام!

فرمایا اے کوفیو کیا تم مجھے جانتے نہیں کہ میں کون ہوں۔ میں کس کا نواسہ ہوں، میں کس کا لختِ جگر ہوں۔ کس کا نورِ نظر ہوں۔ سنو اور غور سے سنو سر کے کانوں سے نہیں دل کے کانوں سے سنو۔ اگر تم واقعی اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہو تو جس نبی کا کلمہ پڑھ کر تم مسلمان بنے ہو۔ میں اُس نبی کا نواسہ ہوں۔ میں اس رسول کا نواسہ ہوں جس نے میرے لئے خطبہ چھوڑا۔ جس نے مجھے اپنے کندھوں پہ سوار کیا۔ جس نے فرمایا کہ حسین مجھ سے ہے۔ جس نے فرمایا کہ حسین جنتی جوانوں کا سردار ہے مجھے روتا دیکھتے تو پریشان ہو جاتے اور میں اس علی کا لختِ جگر ہوں جس کے پیچھے تم نمازیں پڑھتے رہے ہو اور میں اُس سیدہ فاطمہ کا نورِ نظر ہوں جس کو نبی نے اپنے دل کا ٹکڑا کہا۔ کیا ہماری شان قرآن مجید نے بیان نہیں کی۔ کیا آیتِ تطہیر ہمارے حق میں نازل نہیں ہوئی۔ ہمارا گھر وہ گھر ہے جس میں قرآن نازل ہوتا رہا جبریل ہمارا جھولا جھولاتا رہا۔ فرمایا اے بدبخت اور بے وفا کوفیو بتاؤ کہ تم نے مجھے خط نہیں لکھے۔ کیا تم نے میرے پاس قاصد نہیں بھیجے کہ آقا حسین جلد تشریف

لے آؤ۔ اب میں آگیا ہوں تو میرے ہی خون کے پیاسے بنے ہوئے ہو۔ ظالموں غور سے سُن لو۔ میں یہاں لڑنے کے لئے نہیں آیا۔ دنیا کے مال کے لئے نہیں آیا۔ اقتدار کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ دنیا والوں کو نظامِ قرآن سمجھانے آیا ہوں، اور جنت کا راہ دکھانے آیا ہوں مگر یاد رکھو۔ حسین ۶ ماہ کا اصغر تو قربان کر سکتا ہے ـــــــ ۱۸ سال کا اکبر تو نثار کر سکتا ہے ـــــــ عباس کے بازو تو قلم کروا سکتا ہے ـــــــ قاسم کی لاش پر گھوڑے دوڑتے دیکھ کر برداشت کر کے خود بھی نیزے کی نوک پر چڑھ سکتا ہے مگر شریعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے ابھی وقت ہے کہ اپنے دلوں سے اہلبیت کی دشمنی کا زنگ اتار کر اپنی آنکھوں سے غفلت و جہالت کے پردے ہٹا کر دیکھو اور سوچو کہ تم کس کی جان کے درپے ہو۔ بتاؤ کل قیامت کے دن ہمارے اس خونِ ناحق کا تمہارے پاس کیا جواب ہوگا۔ سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ تقریر سُن کر اگر کوئی پتھر دل بھی ہوتا تو سمجھ جاتا۔ مگر ان ظالموں پر تو کچھ اثر نہ ہوا۔ لیکن ان بدنصیبوں میں ایک خوش نصیب حضرت حُر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جو ساری حقیقت کو جان چکے تھے۔ فوراً امام عالی مقام کے قدموں میں حاضر ہو گئے۔

شہادت حضرت حُر رضی اللہ تعالیٰ عنہ!

کون حُر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نام حُر جس کا معنی ہے (آزاد) گویا جب حُر نواسہ رسول کے قدموں میں پہنچ گئے تو دوزخ کی آگ سے بھی آزاد ہو گئے۔ کوفہ کے امیر ترین شخص، یزیدی فوج کے اعلیٰ افسر سب سے پہلے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں ایک ہزار فوجی دستہ لے کر حاضر ہوئے۔ لیکن آلِ رسول

کے احترام کی خاطر کوئی کارروائی نہ کی۔ اس لئے بھی کہ آپ امامِ برحق کے پیچھے ایک نماز ادا کر چکے تھے۔ آپ نے سوچا کہ اب مقتدی ہونے کا حق ادا کرنا ہو گا۔ جنگ کے وقت حضرت حُر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل بہت پریشان تھا بدن کانپ رہا تھا۔ چہرہ زرد تھا۔ دل دھڑک رہا تھا۔ آپ کے بھائی مصعب نے آپ کا یہ حال دیکھ کر پوچھا، بھائی آپ تو بڑے بہادر اور شجاع ہیں اور کئی بار جنگوں میں بھی جا چکے ہیں۔ لیکن آج اتنے پریشان کیوں ہیں تو حضرت حُر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ بھائی یہ نواسۂ رسول سے لڑائی ہے۔ اس وقت میرے ایک طرف بہشت ہے اور ایک طرف دوزخ ایک طرف حسین ہے اور ایک طرف یزید۔ اگر یزید کو چھوڑتا ہوں تو ملازمت جاتی ہے۔ اگر حسین کو چھوڑتا ہوں تو دین جاتا ہے۔ آخر دل میں یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ ملازمت نہیں رہتی نہ رہے دین رہ جائے۔ اگر دنیا نہیں رہتی نہ رہے ایمان رہ جائے۔ اسی دوران شہزادہ کونین امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز آئی۔ ہے کوئی جو آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی جان فدا کر کے بارگاہِ رسالت میں سرخرو ہو جائے۔ یہ صدا بلند ہونا تھی کہ حضرت حُر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور نواسۂ رسول کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی آقا میں آپ کے ارشاد پر حاضر ہو گیا ہوں۔ حضورؐ میرے جرم معاف فرما کر مجھے اہلبیت پر قربان ہونے کی اجازت عطا فرمائیں۔ امامِ برحق نے حُر کے سر پر اپنا دستِ شفقت رکھا اور میدانِ کارزار میں جانے کی اجازت دی۔ چنانچہ حضرت حُر نے اجازت حاصل کی اور گھوڑا دوڑا کر دشمن کے مقابل پہنچ گئے۔ لڑائی شروع ہوئی اور ایک شقی نے حُر کے سینہ پر تیر مارا۔ حُر نے زخم کھا کر ایک نیزہ کا وار کیا۔ جو اس بدبخت کے سینہ سے پار ہو گیا۔

اب حُرؓ نے لشکرِ یزید کے میمنہ پر حملہ کیا اور کئی یزیدیوں کو خاک و خون میں تڑپایا یزیدیوں کو حُرؓ کے جنگی کارناموں کا اعتراف کرنا پڑا۔ بالآخر ایک یزیدی نے حضرت حُرؓ کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ گھوڑا گرنے ہی والا تھا کہ حضرت حُر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے سے نیچے اتر آئے اور پیدل حملہ کرتے رہے۔ پھر یزیدیوں نے چاروں طرف سے حُرؓ کو گھیر لیا اور یکبارگی حملے شروع کر دیئے۔ حضرت حُرؓ کا جسم تیروں اور نیزوں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ چنانچہ اب زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے۔ فرزندِ رسول جگر گوشۂ بتول سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی جان فدا کر کے شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز ہو گئے۔ حضرت حُر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ کربلا میں سب سے پہلے شہید ہوئے اور حضرت امام عالی مقام حُرؓ کو اٹھا کر خیموں کی طرف لائے۔ اور حُرؓ کے سر کو اپنے زانوئے مبارک پر رکھ کر اپنے دامن سے اس کے چہرے کا گرد و غبار صاف کرتے ہوئے چہرہ کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

كَمَا سَمَّتْكَ وَاَنْتَ الْحُرُّ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

جیسا کہ تمہاری ماں نے تمہارا نام حُرؓ رکھا ہے۔ تم دنیا و آخرت میں بھی آزاد ہو۔

ابھی چند سانس باقی تھے اور چمنستانِ زہرا کے پھول کی خوشبو حُرؓ کے دل و دماغ میں پہنچی آنکھ کھلی کیا دیکھتے ہیں کہ سر ابنِ رسول کی گود میں ہے۔ اپنے بخت و مقدر پر ناز کرتے ہوئے جنت الفردوس کی طرف کوچ کر گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

حضرت حُر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت وہب بن عبداللہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ کارزار میں گئے اور جامِ شہادت نوش کیا۔

شہادت حضرت وہب بن عبداللہ کلبی رضی اللہ عنہ

کون وہب بن عبداللہ اپنے قبیلے کا خوبصورت نوجوان، ماں کا اکلوتا بیٹا، یتیمی کا احساس، شادی ہوئے صرف سترہ دن گزرے۔

حضرت وہب بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ اپنے فرمانبردار بیٹے کے پاس آئی اور گلے لگ کر رونا شروع کر دیا۔ بیٹے کو حیرت ہوئی کہ آج میری ماں کو کون سی تکلیف ہوئی جو اتنی پریشان ہے۔ ماں کے لختِ جگر نے عرض کی امی جان آپ کیوں روتی ہیں۔ دیکھو میں نے ساری زندگی آپ کی فرمانبرداری کی ہے اور اب بھی تمہارے حکم پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ماں نے جب اپنے بیٹے کی یہ گفتگو سنی تو کہنے لگی۔ اے میرے نورِ نظر اے میرے دل کے چین، اے سعادت مند بیٹے، میں نے تجھے پالا جوان کیا اور ایک لمحہ بھی تجھے اپنی آنکھوں سے دور نہ ہونے دیا۔ میں نے بڑی تکلیفوں کے بعد تیری جوانی کی بہار پائی ہے اور اب بھی ایک لمحہ تیری جدائی برداشت نہیں، دیکھ آج نواسۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان کربلا میں مصیبت میں مبتلا ہیں کیا تو ان پر اپنی جان نثار کر سکتا ہے۔ اے میرے لاڈلے بے شک تو میرے بڑھاپے کا سہارا ہے۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک میرے سینے کا قرار ہے۔ پھر بھی مجھے اپنی کوئی پرواہ نہیں۔ میرا کچھ بے یا نہ رہے تم عظمتِ اسلام اور نبی کے دین کی خاطر محبتِ اہل بیت میں نواسۂ رسول پر قربان ہو جاؤ۔ بیٹا میری زندگی کی کمائی اور شرم تم ہو۔ جاؤ شہزادہ حسین کے قدموں پہ نثار ہو جاؤ۔ اور جامِ شہادت نوش کر کے اللہ کی بارگاہ میں سُرخرو ہو جاؤ۔ وہب نے کہا، امی جان اس سے بڑھ کر میرے لئے اور

کون سی خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ میرے جیسے گنہگار کی یہ حقیر سی جان نواسہ رسول کے قدموں پہ قربان ہو جائے اور یہ ناچیز ہدیہ وہ قبول فرمائیں۔ تھوڑی دیر کے لئے مجھے اجازت دیں تاکہ اپنی اُس رفیقۂ حیات سے دو باتیں کر لوں جس نے اپنی ساری زندگی کے عیش و آرام کا سہرا میرے سر باندھا ہے۔ جس نے میرے لئے گھر بار رشتہ دار عزیز و اقارب چھوڑے۔ اُس سے بھی چند باتیں کر لوں۔ ماں نے کہا بیٹا۔ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اِس بات کو نہ مانے اور تم اس سعادت سے محروم ہو جاؤ۔ وہب نے کہا پیاری امّی جان۔ محبتِ اہل بیت کی گرہ دل میں مضبوط ہو چکی ہے۔ اب اسے کوئی کھول نہیں سکتا۔ اور ان کی جاں نثاری کا نقش دل پہ اس طرح جم چکا ہے کہ کسی پانی سے بھی نہیں دھویا جا سکتا۔ یہ کہہ کر اپنی بیوی سے کہا کہ فرزندِ رسول کو غداروں اور مردودوں نے کربلا میں گھیر رکھا ہے اور میری خواہش ہے کہ میں یہ اپنی فانی جان ان کے قدموں پر نثار کر دوں۔ بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے۔ یہ سُن کر نئی دلہن نے امید بھرے دل سے ایک سرد آہ کھینچی اور کہنے لگی، کاش کہ شریعتِ اسلامیہ عورتوں کو میدانِ جنگ میں لڑنے کی اجازت دیتی تو میں بھی تمہارے ساتھ شانہ بشانہ لڑتی۔ میرا دل بھی چاہتا ہے کہ میں بھی اس جانِ جہان پہ اپنی جان قربان کر دوں۔ ابھی تک تو میں نے جی بھر کر تیرا چہرہ بھی نہیں دیکھا۔ مگر مجھ سے وعدہ کرو کہ جب جنت میں پہنچو اور جنت میں تمہارے لئے بے شمار نعمتیں حاضر کی جائیں اور جنتی حوریں آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں تو اس وقت مجھ کو نہ بھولنا۔ وہب نے کہا کیوں نہیں۔ ایسی نیک سیرت اور سعادت مند بیوی کو میں کیسے بھول سکوں گا۔ پھر حضرت وہب اپنی ماں اور بیوی کو ساتھ لے کر نواسۂ رسول کی خدمت میں

حاضر ہوئے۔ دُلہن نے عرض کی قبلہ میں بے کس ہوں۔ نہ میرا باپ ہے اور نہ ہی میری ماں، نہ کوئی بھائی اور نہ ہی کوئی قریبی رشتہ دار ہے۔ یا ابن رسول اللہ میرا یہ نوجوان شوہر حضور کے قدموں پر اپنی جان قربان کرنے کی تمنا رکھتا ہے درخواست یہ ہے کہ میدانِ محشر میں میری اپنے شوہر سے جدائی نہ ہو اور زندگی میں مجھ غریبہ کو حضور کے اہل بیت اپنی کنیزوں میں رکھیں۔ امام عالی مقام کے روبرو یہ تمام وعدے مکمل ہو گئے۔ اس کے بعد وہب گھوڑے پر سوار ہوتے اور میدان میں جا کر للکارا۔ پھر جو بھی سامنے آیا۔ تلوار سے اس کا سر اڑا دیا۔ یکبارگی گھوڑے کی باگ موڑی اور ماں کے قدموں میں گر کر عرض کی اے مادر مہربان کیا اب بھی مجھ سے راضی ہو۔ کہا ہاں بیٹا میں راضی ہوں اور پھر بیوی کے پاس جا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا جو بے قرار ہو کر رو رہی تھی۔ اس کو صبر دلایا۔ اتنے میں دشمن کی طرف سے آواز آئی۔ ہے کوئی مقابلہ میں آنے والا۔ وہب یہ سنتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر فوراً میدان کی طرف روانہ ہوئے نئی دلہن ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ وہب نے جاتے ہی دشمن پر بھرپور وار کیے تو اچانک لشکرِ اشقیاء کی طرف سے حضرت وہب پر چاروں طرف سے حملے شروع ہو گئے۔ آخر کار آپ زخموں سے چُور ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اتنے میں ظالموں نے بڑی بیدردی سے ان کا سر کاٹ کر لشکرِ امام کی طرف ڈال دیا۔ وہب کی ماں اپنے شہید بیٹے کے سر کو چوم رہی تھی اور کہتی تھی کہ اے بیٹا اب تیری ماں تجھ سے راضی ہو گئی۔ پھر سر اٹھا کر اس کی دلہن کی گود میں رکھ دیا اور دلہن نے اپنے محبوب شوہر کے چہرے کو بوسہ دیا اور پروانہ کی طرح اُس شمع جمال پر قربان ہو گئی اور ٹھنڈی آہیں بھرتی ہوئی سسکیاں لیتی ہوئی وہ بھی اس کے ساتھ ہی دم توڑ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضراتِ گرامی!

میدانِ کربلا میں شہادتوں کا سلسلہ شروع ہے۔ جانثارانِ اہلبیت ایک ایک کر کے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے تھے اور اب خاندانِ اہلبیت کے فرزندانِ نسبت دین کی خاطر عظمتِ اسلام کے لئے۔ جامِ شہادت نوش کرنے کو تیار رہیں۔

شہادت حضرت عون و محمّد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

کون عون و محمّد، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بیٹے حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پوتے سیّدہ زینب بنتِ علی کے نورِ نظر، سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بھانجے، چمنستانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مہکتے ہوئے دو پھول۔ حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا میدانِ کارزار کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ کہ آپ کے دونوں شہزادے عون و محمّد حاضر ہوئے۔ عرض کی امّی جان! ہمیں بھی ماموں جان سے میدانِ کربلا میں جانے کی اجازت لے دیں۔ تاکہ ہم بھی اس عظیم سعادت سے بہرہ مند ہو سکیں۔ سیّدہ عون و محمّد کے جذبۂ شہادت کو دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھیں۔ اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ فرمایا بیٹا تمہاری ماں زینب بھی یہی چاہتی ہے۔ بیٹو تمہاری اس اچھی آرزو اور خواہش سے میرا دل راضی ہو گیا ہے اور مجھے تم پر فخر ہو گا کہ میری گود میں پلنے والوں نے دینِ حق کی خاطر جان دینے سے گریز نہیں کیا۔ بیٹو دنیا قیامت تک تمہارے گُن گائے گی۔ ادھر سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے دونوں شہزادوں کو لے کر امام برحق کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ فرمایا بہن کیوں۔ عرض کی بھائی جان۔ میرے بیٹوں کو بھی میدان میں جانے کی اجازت دیں۔ یہ دیکھو کس طرح میرے پیچھے پھر رہے ہیں۔ امام عالی مقام

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اپنی بہن زینب کی یہ بات سُن کر رو پڑے۔ فرمایا بہن جاؤ آرام کرو۔ اور ان بچّوں کو بھی کہو کہ آرام کریں۔ میں اپنی خاطر اپنی بہن کی گود خالی نہیں کروانا چاہتا۔ سیّدہ نے پھر دامن پھیلا دیا۔ عرض کی یا امام یہ میرے دل کی حسرت ہے اسے پورا فرمائیں۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ غلام قربان ہو رہے ہیں اور آپ نے انہیں اجازت عطا فرمائی ہے۔ میرے بچّوں کو بھی اجازت دیں۔ تاکہ ناموسِ اسلام کے تحفّظ میں میرا حصّہ بھی شامل ہو جائے۔ مجھے احساس ہے کہ میرے دو ہی بیٹے ہیں۔ نانے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شریعت کی خاطر زینب ایسے سینکڑوں بیٹے بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔ عرض کی یا امام مجھے خالی نہ لوٹایئے۔ اگر آپ نے میری یہ درخواست منظور نہ کی اور پھر کل قیامت کے روز امّی جان فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے مجھ سے پُوچھ لیا کہ زینب تیری آنکھوں کے سامنے تیرے بھائی حسین پر مصیبتوں کے پہاڑ لوٹے۔ مگر تو دیکھتی رہی' بتایئے میں کیا جواب دوں گی۔ بھائی جان بہنوں کو بھائیوں کا بڑا احساس ہوتا ہے اور پھر زینب یہ کس طرح برداشت کر سکتی ہے کہ کوئی ظالم اسلام کے نام پر حکومت لے پھر اس کی حدوں کو توڑنا شروع کر دے۔ یا امام آپ کی بہن زینب جانتی ہے کہ یہ وقت آپ پر سخت آزمائش کا وقت ہے۔ ہر طرف مصیبتوں اور پریشانیوں کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے بچّوں کو تیار کروں۔ قربان جائیں سیّدہ کے صبر پر اور سیّدہ کے حوصلے پر اس لئے کہ تاریخ میں بہنوں کے واقعات بہت ہوں گے۔ مگر زینب جیسی وفاداری کسی نے نہیں کی۔ بہنیں نذرانے کے طور پر پیسے' کپڑے یا دیگر اشیا تو دے دیتی ہیں۔ مگر بچے کوئی نہیں دیتی۔ عرض کی بھائی جان میں آپ کے پاس سوالی بن کر آئی ہوں۔ امید ہے کہ آپ مجھے خالی نہیں لوٹائیں گے۔ اجازت دیں اور میں اپنے

بچوں کی سخاوت کر دوں۔ سیدہ کے اصرار پر امام نے آپ کو اجازت دے دی۔ خیموں میں لے جا کر بچوں کی زلفیں سنواریں اور چہرے سے راستے کا گرد و غبار صاف کیا۔ لباس بدلا جسموں پر آلاتِ حرب باندھے اور ہاتھوں میں دو ننھی ننھی تلواریں دیں۔ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا زینب دیر کیوں، عرض کی بھائی جان دل کی خواہش پوری کرنے کے لئے اب نئے کپڑے پہنا رہی ہوں، ماؤں کی خواہش ہوتی ہے کہ میرا بیٹا دولہا بنے گا۔ ماں خوشی کرے گی مگر میں زینب اپنی تمام خوشیاں نانے کے دین پر قربان کرتی ہوں۔ یہ کہا اور بچوں کو رخصت کرتے ہوئے ماں کا بدن کانپ رہا تھا۔ دل دھڑک رہا تھا۔ سارے ارمان دل میں ختم ہو چکے تھے۔ ماں نے بیٹوں کو آخری بار سینے سے لگایا۔ عرش کانپ گیا۔ فرشتے تڑپ اٹھے حوریں چلا پڑیں۔ اور سیدہ کے صبر پر رشک کرنے لگیں۔ زینب نے اپنے بچوں کو میدان میں جانے سے پہلے فرمایا، بیٹا جاؤ، اللہ کا نام لے کر مگر یاد رکھنا یہ سر کٹ تو جائے مگر باطل کے سامنے جھکنے نہ پائے۔ بیٹو جاؤ۔ میں نے تمہیں اپنا دودھ بخش دیا۔ اور ان کوفیوں سے پانی نہ مانگنا اور نہ ہی رحم کا سوال کرنا۔ جب نیزا و تلوار لگے تو تلاوتِ قرآن کرنا۔ فرمایا اب جاؤ، اللہ کے سپرد۔

گھل کے مقتل دے وَل دونویں لختِ جگر
کیہا زینب نے تیرا خدا! یا شکر
میری محنت دا اَج مینوں ملیا ثمر
میری اولاد ویراں دے کم آ گئی

اور جب عون و محمد مقتل گاہ کی طرف نکلے تو یوں معلوم ہوا کہ

جھوم کر خیمہ سے نکلے جگمگاتے دو ہلال
دل میں حلم مصطفائی حیدری رُخ پہ جلال

بینہ کی صورت لشکرِ اعدا پہ برسے کا زوال

جانِ ماموں پہ فدا کرنے بڑھے زینب کے لال

کسی اور شاعر نے یوں کہا کہ

جنگ گاہ میں گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے آئے

شان اپنی سواری کی دکھاتے ہوئے آئے

نیزوں کو دلیرانہ ہلاتے ہوئے آئے

اُنگلیاں سوئے ظالم تناتے ہوئے آئے

دونوں بھائی بڑے جوش و جذبہ سے میدانِ کربلا کی طرف چلے اور میدان میں جا کر دشمن کو مخاطب کر کے کہا سُنو اے کوفیو!

دادا میں جو قوت تھی وہ طاقت بھی ہے ہم میں

ہے زور یہی نانا کا شجاعت بھی ہے ہم میں

وہ دبدبہ و شان و شوکت بھی ہے ہم میں

اور ماموں کی مظلومی و غربت بھی ہے ہم میں

اور پھر دونوں کچھ اس شجاعت و بہادری سے لڑے کہ میدانِ جنگ کا نقشہ بدل کے رکھ دیا۔ جب عمرو بن سعد نے شہزادوں کا یہ اندازِ جنگ دیکھا تو پکار اٹھا کہ انہیں بچے نہ سمجھو ان کی رگوں میں بھی محمدؐ کا خون ہے اور ان کے بازوؤں میں علی کی طاقت ہے۔ چنانچہ عبداللہ کے لختِ جگر سیدہ زینب کے نورِ نظر بڑی جوانمردی کے ساتھ لڑ رہے تھے قریب تھا کہ اپنا مقصد پا لیتے اور عمرو بن سعد کا خاتمہ کر دیتے۔ مگر عمرو بن سعد پکار اٹھا اوہ یزید کے ٹکڑوں پہ پلنے والو۔ یہ کہاں کی نمک حرامی ہے کہ تین دن کے بھوکے اور پیاسے ان بچوں پر ہی قابو نہیں پایا جا رہا اور وہ غالب آتے جا رہے ہیں

حضرات محترم !

میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید، فرقان حمید کی ایک آیہ کریمہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کے ساتھ محبت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (پ ۲۵)	تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔

پہلے اس آیہ کریمہ کا شانِ نزول سنیئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منوّرہ میں تشریف لائے تو انصار نے دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخراجات بہت ہیں اور ظاہری طور پر آپ کے پاس مال نہیں ہے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ اس کے بعد بہت سارا مال جمع کر کے دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی (کہ حضور کی بدولت ہمیں ایمان ملا، ہدایت کا راستہ ملا۔ آپ نے ہمیں کفر و شرک سے نکال کر رشد و ہدایت کے راستے پر گامزن کیا۔ دوزخ سے نکال کر جنت کا راستہ دکھایا) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے مصارف اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ لہٰذا ہم یہ مال آپ کی خدمتِ اقدس میں نذر کرتے ہیں۔ قبولیت کا شرف بخشیں۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تمام مال واپس کر دیا۔

(تفسیر حسینی صد ۲۹۵ ج ۲۔ نور العرفان پ ۲۵)

حضراتِ گرامی!

اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا اے میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اعلان فرما دیجیے کہ میں اس تبلیغ کے بدلے تم سے کوئی مال و دولت، ساز و سامان نہیں مانگتا۔ مگر اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى مگر اپنے اہل قرابت کے ساتھ محبت و عقیدت۔ کہ ان سے تم محبت کرو۔

معزز سامعین!

معلوم ہوا کہ اہلبیت سے محبت لازمی اور ضروری ہے۔ بلکہ فرض ہے کیونکہ قرآن پاک سے ثابت ہے اور جو حکم بھی قرآن مجید سے ثابت ہو وہ فرض ہوا کرتا ہے جس طرح کہ نماز کا حکم قرآن مجید نے دیا اور نماز ہر مسلمان پر فرض ہے۔ نہ ادا کرنے والا سخت گناہ گار ہے اور منکرِ نماز کافر ہے۔ اسی طرح آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ محبت و مودت کا حکم بھی قرآن مجید نے دیا۔ اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ نماز کا منکر تو کافر ہے اور جو اہل بیت سے بغض اور دشمنی رکھتا ہے وہ کون ہے؟

محبت اہل بیت!

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ:-

وَاَحِبُّوْنِيْ بِحُبِّ اللّٰهِ وَاَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِيْ بِحُبِّيْ	اللہ تعالیٰ کے لئے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی خاطر میرے اہلبیت سے محبت کرو۔

(ترمذی شریف صہ ۲۲۰ ج ۲)

معزز سامعین!
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانِ عالی سے ظاہر ہے کہ کامل محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب کی محبوب چیز سے محبت کی جائے۔ چنانچہ اس حدیث پاک سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہلبیت سے محبت ہے (صرف محبت نہیں بلکہ محبت کرنے کا حکم بھی فرمایا) اور اللہ تعالیٰ کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے۔ لہذا اہل بیت سے محبت کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا ہے اور حضور سے محبت کرنا خدا تعالیٰ سے محبت کرنا ہے۔

قریبی کون ہیں؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ جن مقدس و مطہر نفوس کے ساتھ محبت کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے وہ کون ہیں؟
حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے دربارِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مَنْ قَرَابَتُكَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ وَجَبَتْ عَلَيْنَا مَوَدَّتُهُمْ قَالَ عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَوَلَدَاهُمَا

وہ آپ کے قریبی کون ہیں۔ جن کی محبت ہم پر واجب فرمائی گئی ہے۔ فرمایا۔ علی اور فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے (حسن و حسین)

(تفسیر مظہری ۳۲۵) (صواعق محرقہ صہ ۱۶۸)

حضرات محترم!
حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان اقدس سے معلوم

ہوا کہ حضرت علی المرتضٰے کرم اللہ وجہہ الکریم اور سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور سیدین طیبین، طاہرین، حسنین، کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دربارِ نبوت میں انتہائی شرف اور عظیم مقام حاصل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام لے کر ان کے ساتھ عقیدت و محبت رکھنے کا حکم فرمایا ہے اور یہی پنجتن پاک ہیں۔ اب اپنے پیارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان اقدس سے یہ مبارک ارشاد سننے کے بعد ہر کلمہ گو کے لئے ضروری اور واجب ہے۔ کہ ان نفوسِ قدسیہ سے محبت کرے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ:۔

جنہوں پنجتن نال پیار نئیں اوہدے کلمے دا اعتبار نئیں
جیہڑا چوں یاراں دا یار نئیں اوہ جنت دا حقدار نئیں

اور یہ بھی کہ:۔

نامنظور عبادت تیری نئیں پیار اگر پنجتن دا!
اعظم اوہنوں اگ کیوں ساڑے جیہدے دل وچ گھر پنجتن دا

میرے بزرگو اور دوستو!
آیئے اب دیکھیں کہ اہل قرابت کے ساتھ محبت کرنے کا فائدہ کیا ہوگا؛ سنیئے!

حضور سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ مُؤْمِنًا	جو بھی آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مرا، مومن مرا۔
وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ	جو بھی آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مرا

شَہِیْدًا۔ وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ مَغْفُوْرًا۔

شہید مرا۔ جو بھی آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مرا بخشا ہوا مرا۔

(نور الابصار صہ ۱۱۲)

حضرات گرامی!

امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان ارشادات سے پتہ چلا کہ اہل قرابت یعنی علی، فاطمہ، حسن وحسین سے محبت کرنے والا ان نفوسِ قدسیہ سے عقیدت ومحبت رکھنے والا۔ جب اس دنیا سے جائے گا تو ایمان سے جائے گا۔ بلکہ شہادت کا رتبہ پائے گا اور تیسرا ارشاد تو سب سے اہم ہے وہ ہے بخشش، ہر ایمان والے کی بھی کوشش ہے کہ میں بخشا جاؤں۔ نمازی نماز پڑھتا ہے ——— حاجی حج کرتا ہے ——— سخی سخاوت کرتا ہے۔ مجاہد اسلام کفر کے مقابلہ میں جنگ کرتا ہے۔ قاری قرآن تلاوتِ قرآن کرتا ہے۔ کس لئے تاکہ میری مغفرت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرما دے۔ لیکن یاد رہے کہ مغفرت بھی اُسی وقت ہو گی جب ایمان ہو گا اور ایمان اس وقت تک کامل ہو نہیں سکتا۔ جب تک ایک کلمہ گو مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آلِ رسول سے محبت نہ ہو گی۔ جب ایک مسلمان اہل بیت کے ساتھ اپنا تعلق جوڑے گا اور ان کے ساتھ عقیدت ومحبت رکھے گا تو پھر یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جب اس دنیا سے جائے گا مومن جائے گا۔ اس کے گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے اور اسے شہادت کا مرتبہ بھی عطا کیا جائے گا۔ حضرات یہ تو تھا فائدہ۔ اب یہ ہے کہ اہل بیت اطہار کے ساتھ بغض ودشمنی رکھنے میں نقصان

کیا ہے سنیئے۔

بغض اہل بیت!

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ اَبْغَضَنَا اَهْلَ الْبَيْتِ حَشَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَهُوْدِيًا۔

جس نے بھی اہل بیت سے دشمنی کی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے یہودی اٹھائے گا۔

مَنْ اَبْغَضَ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ فَقَدْ حَرَمَ شَفَاعَتِيْ۔

جس نے میری اہلبیت سے بغض کیا اس پر میری شفاعت حرام ہے۔

اور مزید ارشاد فرمایا کہ جو شخص بھی میری آل کے ساتھ دشمنی، بغض عناد اور دل میں کینہ رکھے گا۔

فَصَلّٰى وَصَامَ ثُمَّ لَقِيَ اللّٰهَ وَمُبْغِضٌ لِاَهْلِ بَيْتِ مُحَمَّدٍ دَخَلَ النَّارِ۔

وہ نمازیں بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے اگر اہل بیت کا دشمن ہے تو دوزخی ہے۔

(صواعق محرقہ صـ ۱۷۴)

بزرگانِ محترم!

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ بغض آلِ نبی کفر ہے۔ اہل بیت کے ساتھ دشمنی رکھنے والے پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شفاعت حرام ہے اور جب وہ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔ تو یہودی ہوگا اور آخر دوزخ میں داخل کر دیا

جائے گا۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ :۔

نا منظور عبادت تیری نہیں پیار اگر پنجتن دا!
اعظم اوہنوں اگ کیوں ساڑے جیہدے دل وچ گھر پنجتن دا

اب بتائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کے ساتھ دشمنی اور بغض رکھنے والے کہاں جائیں گے۔ جو نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول نورِ نگاہ علی المرتضٰے کو تو باغی مانیں اور یزید پلید جس نے اہلبیت کی توہین کی اہلبیت پر ظلم کیا انہیں انتہائی غربت و مظلومی کے عالم میں شہید کر دیا اسے امیر المومنین جنتی اور حق پر تسلیم کریں حالانکہ درسِ نظامی کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی جو ہر درس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ :۔

شرح عقائد کا فیصلہ!

اُطْلِقُ اللَّعْنَ عَلَيْهِ لِمَا اَنَّهٗ كَفَرَ حِيْنَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْحُسَيْنِ ۔ کہ یزید پر لعنت بھیجنا علی الاطلاق جائز ہے اس لیے کہ اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دے کر کفر کیا۔

(شرح عقائد نسفی صـ۱۶۲)

حضرات!

یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جس یزید نے آلِ رسول کو در بدر پھرایا بے گناہ بچوں کو پیاسے رلایا۔ نواسۂ رسول اور آپ کے رفقاء کو شہید کرنے کے بعد سر ان کو نیزوں کی نوکوں پر گلی گلی پھرایا۔ وہ تو نیک ہو اور حق پر، جس کی رگوں میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون ہو اور جس نے نبی پاک کی بیٹی فاطمہ کا دودھ پیا ہو اور جس کے ساتھ محبت کرنے کا حکم خود مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا ہو۔ وہ باغی نعوذ باللہ۔ سوچو اپنی فکر بدلو۔ اگر یہ بات پسند نہیں آتی۔ تو ٹھیک ہے تم یزید کے ساتھی بنے رہو۔ ہم حسین کے غلام بنتے ہیں۔ تو کل قیامت کے دن تمہارا حشر جابروں کے جابر یزید کے ساتھ ہوگا اور ہمارا حشر صابروں کے صابر حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوگا۔

سامعین!

آپ جانتے ہیں کہ نماز میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے۔ ہر نمازی خواہ وہ کسی بھی مسلک کے ساتھ تعلق رکھنے والا ہو۔ اپنی نماز میں آلِ محمد پہ درود شریف لازمی پڑھے گا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ اے اللہ درود بھیج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر وہ علیحدہ بات ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد وہ عظمتِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کردے۔ مگر جب تک ہر نمازی اپنی نماز میں آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے گا۔ اس وقت تک اس کی نماز نامکمل رہے گی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی عظیم شان سے کیوں نوازا کہ ہر نمازی کی نماز میں آلِ نبی کا ذکر آتا ہے۔ یہ سوال ہم پر نہیں رب تعالیٰ پہ کرو؟

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری محبت فرض فرمائی ہے۔ تمہیں اس بات پر فخر کرنا کافی ہے کہ:۔

مَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَیْکُمْ لَا صَلٰوۃَ لَہٗ	جو تم پر درود نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی (یعنی صحیح نہیں ہوتی)

اور پھر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی، یا اللہ میں حسن و حسین سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما۔

وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّهُمَا (مشکوٰۃ شریف)	اور اس سے بھی محبت فرما جو ان سے محبت کرتا ہے۔

حُسین اور یزید!

اے یزید کو حُسین کے مقابلے میں لانے والو۔ یزید کا کردار دیکھو اور حسین کا مقام دیکھو۔

یزید نفس پرست ہے ——— حسین حق پرست ہے ———

یزید مجسمۂ کفر و طغیان ہے ——— حسین نمونۂ دین و ایمان ہے ———

یزید فسق و فجور میں مبتلا ہے ——— حسین پیکرِ تسلیم و رضا ہے ———

یزید اسلام میں نقشِ شر ہے ——— حسین وارث چادرِ تطہیر ہے ———

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۷۰)	حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

حضرات محترم!

شہید میدانِ کارزار میں لڑنے اور جامِ شہادت نوش کرنے کے بعد جنت کا حقدار بنتا ہے۔ مگر حسن و حسین کو تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بچپن میں ہی فرما دیا کہ یہ میرے شہزادے صرف جنتی ہی نہیں

بلکہ جنّت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَیُّ اَھْلُ بَیْتِكَ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے پُوچھا کہ اہلبیت میں سے سب سے زیادہ آپ کو کس سے محبّت ہے۔ فرمایا حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مجھے زیادہ محبّت ہے۔

خطبہ چھوڑ دیا!

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضُورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں آگئے اور سیدھے ممبر کی طرف یعنی نانا جان کے پاس جا رہے تھے۔ اور دونوں نے مُرخ رنگ کے دھاری دار قمیض پہنے ہوئے تھے اور چلتے چلتے کبھی حسن گرتے اور کبھی حسین جب امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نظرِ رحمت حسنین کریمین پر پڑی۔ تو آپ منبر سے اترے اور دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال و اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں۔ اس کے بعد کملی والے نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ شاید تم لوگ حیران ہو گئے کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ اس لئے کہ جب میں نے دیکھا دونوں شہزادے آرہے ہیں اور گرتے جارہے ہیں۔

فَلَمْ اَصْبِرْ حَتّٰی قَطَعْتُ حَدِیْثِیْ وَرَفَعْتُهُمَا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۷۱)

تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنا خطبہ چھوڑ دیا اور ان شہزادوں کو اٹھا لیا۔

میرے بزرگو اور دوستو!

آپ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو حسن و حسین سے کتنی محبّت اور کتنا پیار ہے کہ آپ نے خطبہ تو چھوڑ دیا۔ مگر حسین کا گرنا برداشت نہ کیا۔ تو کیا جب یزید نے حسین کی لاش پر گھوڑے دوڑائے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم سے برداشت ہوا ہوگا۔ کیا اس ظلمِ عظیم پر نبی کا دل مجروح نہ ہوا ہوگا۔ تو میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں جو حسین کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کے الفاظ بول کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ کیا انہوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی یہ حدیث نہیں پڑھی یا سُنی۔ کہ

حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ۔

حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔

اگر پڑھی ہے تو حسین سے محبّت کرنا شروع کر دیں۔ اگر نہیں پڑھی تو پڑھ لیں۔ کیونکہ حسین سے محبّت نبی سے محبّت ہے اور نبی سے محبّت کرنا خدا تعالیٰ سے محبّت کرنا ہے۔

اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا۔

اللہ تعالیٰ اس سے محبّت کرتا ہے جو حسین سے محبّت کرتا ہے

(ترمذی شریف ص۲۴۲ ج۔۲)

لہٰذا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی کہنا یہ حسین سے محبّت نہیں۔

دشمنی ہے ۔ عقیدت نہیں بغض ہے ۔ پیار نہیں عناد ہے ۔ یزید شرابی تھا زانی تھا ۔ عیاش تھا اور حدود اللہ کو توڑنے والا تھا ۔ بے نماز تھا ۔ ایسا کردار اور امیر المؤمنین یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا ۔ امام عالی مقام نے فرمایا کہ حسین اپنے بچے تو قربان کر سکتا ہے ۔ مگر خلافتِ اسلامیہ کی توہین برداشت نہیں کر سکتا ۔

حضراتِ محترم !

دس محرّم کا دن اور کربلا کا تپتا ہوا صحرا ۔ گرم لو کے تھپیڑے ادھر یزیدی کتے تو پانی پی رہے ہیں ۔ مگر اہلِ بیت پر پانی بند ہے ۔ آج کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حسین کو پانی نہ ملا ۔ میں کہتا ہوں کہ جس حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جدِ امجد حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام نے ایڑی رگڑی تو پتھر سے آبِ زمزم کا چشمہ جاری ہو گیا ۔ یہ حسین بھی اُسی لڑی میں سے تھا ۔ اگر امام عالی مقام چاہتے تو فرات اپنا منہ آقا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدموں کی طرف موڑ لیتا ۔ مگر حسین خاموش ہے ، کیوں خاموش اس لئے کہ آج خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ جابر شل کا جبر کہاں تک اور صابروں کا صبر کہاں تک ہے ۔

مجھ کو تو اختلاف ہے لوگوں کی بات سے
مانگا تھا کب حسین نے پانی فرات سے

اہل بیت اطہار کے شیر خوار پیاس کی شدت سے تڑپ رہے ہیں ۔ کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی عباس علمدار کو آواز دی

غازی عباس بھیا ــــــ دریا پہ دوڑے جانا ــــــ
مشکیزہ یہ اٹھا کر ــــــ پانی تو جلد لانا ــــــ

شہادت حضرت عباس علمدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کون عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انہیں حسین کہ عرب میں لوگ آپ کو
ماہِ بنو ہاشم کہہ کر پکارتے۔ سقائے اہل بیت آپ کا لقب تھا۔ سپاہِ حسینی کے
علمدار تھے۔ خاندانِ اہل بیت کے خیموں کے پہرہ دار تھے۔ شجاعت و بہادری
صرف عرب میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام میں شہرت رکھتے تھے۔ اما
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اتنی محبت کہ ہمیشہ آپ کو آقا و مولا کہہ کر پکارتے
تھے۔ عین شباب کا عالم ۳۴ سال کی عمر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
خیموں میں گئے۔ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک کہرام مچا ہوا ہے۔ بچے پیاس سے تڑپ
رہے ہیں۔ پیاس کی وجہ سے علی اصغر کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ ہر طرف العطش
العطش کی صدائیں ہیں۔ کبھی سکینہ پکارتی ہے، چچا جان پانی، کبھی ۶ ماہ کا علی اصغر
اپنی سوکھی زبان نکال کر دکھاتا ہے اور بیمار زین العابدین کا جسم بخار سے جھلس
رہا ہے۔ پیاس کی شدت جسم کانپ رہے ہیں۔ حضرت عباس علمدار رضی
اللہ تعالیٰ عنہ جوش میں آکر غضبناک حالت میں اٹھے۔ مشکیزہ اٹھایا
اور گھوڑے کی باگیں فرات کی طرف موڑیں امام عالی مقام نے فرمایا بھائی
عباس کدھر جارہے ہو۔ عرض کی آقا اجازت دو میں فرات پہ پانی لینے جا
رہا ہوں۔ یہ سُنا تو آقا حسین رو پڑے۔ فرمایا عباس تم میری چھوٹی سی جماعت
کے علمبردار ہو۔ تمہارے چلے جانے سے یہ سارا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ تم بھی جارہے
ہو۔ کیا یہ چاہتے ہو کہ جب حسین آنکھ کھولے تو اسے کوئی بھی اپنا نظر نہ آئے
اور کسی کا سہارا نہ رہے۔ خدا کے لئے میرا نہیں تو عورتوں کی بے کسی کا خیال
کرو۔ مجھے نوبت ہے کہ یہ ظالم کسی صورت بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اگر

تم بھی نہ ہوں گے۔ نوان کا وارث کون بنے گا اور یہ کس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں گی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا امام ذرا خیموں میں ایک نظر دیکھو۔ کہ بچے کس طرح پیاس سے تڑپ رہے ہیں سکینہ نے بار بار مجھے کہا چچا جان کوشش کرو۔ شاید دو گھونٹ پانی مل جائے۔ اس لئے یا امام مجھے آپ اجازت دیں۔ میرے امام نے اشک بار آنکھوں سے عباس علمدار کو الوداع کیا۔ حضرت عباس علمدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر یزید کے سامنے پہنچ گئے۔ اور آپ نے اتمام حجت کے لئے ایک خطبہ ارشاد فرمایا او کوفیو بتاؤ کس کے اُمتی ہو۔ اگر تم مانتے ہو کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کلمہ پڑھا ہے تو پھر اس آلِ رسول پر پانی بند کیوں کیا۔ ظالموں یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تمہارے جانور تو پانی پئیں مگر اہل بیت کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں ہو سکتا۔ بتاؤ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں کیا جواب دو گے۔ ابھی وقت ہے سوچو۔ اور دو گھونٹ پانی کے دو میں تمہیں کل قیامت کے دن حوض کوثر کے جام پلاؤں گا۔ مگر ان نام نہاد مسلمانوں پر آپ کی تقریر کا کوئی اثر نہ ہوا بالآخر آپ لشکر جرار کی صفوں کو چیرتے ہوئے نہر فرات کی طرف بڑھے، جب عمرو بن سعد نے دیکھا کہ حیدر کا لال بڑے ہی عزم و ہمت کے ساتھ آگے بڑھتا جا رہا ہے اشقیار نے راستہ روکنا چاہا۔ سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار میان سے باہر نکالی جو بجلی کی طرح چمکی اور قہر خدا بن کر دشمنوں پر گری حیدر کرار کی ہیبت و شجاعت نے دشمن کی صفوں میں راستہ بنا دیا۔ اور دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے ہوئے۔ لب دریا تک پہنچ گئے۔ جب نہر فرات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا پانی دیکھا تو خیال آیا کہ ایک چلو بھر کر پی لوں۔ مگر جب پینے لگے تو سکینہ کی پیاس یاد آگئی اور علی اصغر کا شدتِ پیاس سے

زبان کا باہر آنا آنکھوں کے سامنے آگیا۔ پانی اسی جگہ پھینک دیا اور جلدی سے پانی کا مشکیزہ بھرا کندھے پہ لٹکا کر چلنے لگے۔ تو شمر لعین چلا اٹھا کہ اگر یہ پانی اہل بیت کے خیموں میں پہنچ گیا تو یاد رکھو پھر زمین پر کوئی یزیدی باقی نہ رہے گا چنانچہ حضرت عباس کی پوری کوشش تھی کہ کسی طرح یہ پانی صحیح سلامت خیموں میں پہنچ جائے اور میرا یہ وعدہ بھی پورا ہو جائے۔ مگر دشمن کے نرغہ میں آ گئے۔ انہوں نے تیروں کی بارش کر دی۔ جس سے مشک چھلنی ہو گئی ادھر خیموں والے خوشی منا رہے ہیں۔ کہ یا اللہ تیرا شکر ہے کہ عباس پانی لے آئے مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے۔ کہ حوض کوثر کے مالک آج کربلا کے میدان میں اپنے ہی نانا کا کلمہ پڑھنے والے بے وفا امتیوں کے ہاتھوں پیاسے ہی تڑپ تڑپ کر جانیں دیں گے۔ پھر ہر طرف سے تیروں، نیزوں اور تلواروں کی جھنکار ہوئی آپ ان کے حملوں کا جواب دیتے ہوئے۔ خیموں کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے کہ نوفل بن ورقہ مردود نے چھپ کر حضرت عباس پر وار کیا۔ کہ آپ کا دایاں بازو کٹ گیا۔ جوشِ شجاعت دیکھئے کہ آپ نے فوراً نہایت ہی دلیری کے ساتھ مشک کو دوسرے کندھے پر اٹھا لیا اور بائیں ہاتھ سے تلوار پکڑ کر دشمن کا مقابلہ کرتے رہے کوشش یہی تھی کہ کسی طرح پانی خیموں میں پہنچا دوں۔ آپ بڑھتے آ رہے تھے کہ ایک ملعون نے آپ پر دوسرا وار کیا اور حضرت عباس کا بایاں بازو بھی قلم کر دیا۔ آپ نے مشک کے تسمہ کو دانتوں سے پکڑ لیا اور خیموں میں پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر صد افسوس کہ اس سقائے اہل بیت کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا کہ ایک تیر آ کر مشکیزہ میں پیوست ہو گیا۔ جس سے سارا پانی بہہ گیا اور ایک دوسرا تیر آیا جو حضرت عباس کے سینہ اقدس پر لگا ایک اور سیاہ کار نے سرِ اقدس پر اس زور سے لوہے کی گرز

ماری کہ آپ زخموں سے لاچار ہو کر زمین پر گر پڑے اور امام عالی مقام کو آواز دی ۔ اے بھائی حسین میری طرف سے آخری سلام ہو۔ اس آواز کو سُن کر حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑتے ہوئے آپ کے قریب آئے اور پیکرِ وفا عباس علمدار کو دیکھ کر رو پڑے آپ کی لاش کے ساتھ چمٹ گئے اور کہا اے عباس اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔ آپ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش اٹھا کر خیموں میں تشریف لائے

تو خیموں میں ایک کہرام مچ گیا۔ حسین ابن علی نے سکینہ کو فرمایا بیٹی تو بھی اور اے علی اصغر تو بھی اپنے چچا کو معاف کر دینا۔ وہ تم سے کیا ہوا وعدہ پورا نہ کر سکے۔ یہ کہا اور آپ کی روح جنّت کے اعلیٰ مقام میں پہنچ گئی ۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ؕ

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باری آئی ۔

شہادت حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کون حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شہزادۂ امام حسن، ہُوبہو ہم شکل حسن، خاندانِ اہل بیت کے چشم و چراغ امام حسن کی نشانی، تیرہ سال کی عمر غالباً امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیموں میں تشریف لے گئے ۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ شہزادہ آپ کی طرح آ رہے ہیں جب سامنے آئے تو دست بستہ یوں کھڑے ہیں۔ جیسے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ فرمایا بیٹا قاسم کیا بات ہے۔ عرض کی چچا جان جہاں سب ہی باری باری جامِ شہادت نوش کر رہے ہیں۔ مجھے بھی اجازت دیں تاکہ میں بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہو سکوں ۔ حضرت امام عالی

مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت قاسم کو سینے سے لگا لیا اور فرمایا۔ بیٹا قاسم تو میرے بھائی حسن کی نشانی ہے۔ میں تجھے دیکھتا ہوں تو بھائی حسن کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے میں تجھے اجازت نہیں دے سکتا۔ کبھی آپ اپنی پھوپھی جان سے کہتے ہیں۔ کبھی چچی شہر بانو کے پاس جا کر عرض کرتے ہیں کہ آپ ہی میرے لیے چچا جان سے میدانِ کربلا میں جانے کی اجازت لے دیں۔ اچانک قاسم کو ایک بات یاد آ گئی۔ آپ امام عالی مقام کی خدمت میں دوبارہ اس حال میں جاتے ہیں۔ کہ ہاتھ میں ایک بند کاغذ ہے۔ حسین ابن علی نے فرمایا۔ بیٹا یہ کیا ہے۔ عرض کی چچا جان یہ تعویذ ہے جو میرے والدِ محترم حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقتِ وصال مجھے بازو پر باندھنے کے لئے دیا تھا اور ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کی تھی۔ کہ بیٹا جب کبھی مشکل وقت آ جائے تو اس تعویذ کو کھول کر پڑھ لینا۔ تو میں نے سوچا کہ اس وقت سے بڑھ کر مصیبت کا وقت اور کون سا ہو سکتا ہے۔ کہ ظالم ہمارے جان لیوا بنے ہوتے ہیں۔ جب امام برحق نے شہزادہ سے وہ تعویذ لے کر پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ بھائی حسین میدانِ کربلا میں میرے بیٹے قاسم کو بھی جان کا نذرانہ پیش کرنے کی اجازت دے دینا۔ تاکہ ناموسِ اسلام کے تحفظ کے لئے میرا حصہ بھی شامل ہو جائے۔ حضرت قاسم نے عرض کی چچا جان اب تو مجھے اجازت دے دیں۔ میرے امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد آپ خیموں میں چلے گئے۔ تمام خیموں والوں کو سلام کیا اور میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہو گئے۔ میدان میں پہنچے اور دشمن کو للکارا۔ کہ ہے کوئی میرے مقابلے میں آنے والا۔ مگر کس میں جرأت تھی کہ حسن کے بیٹے کا مقابلہ کرے۔ عمرو سعد بولا۔ اسے بچہ نہ سمجھنا۔ اس کے بازوؤں میں بھی علی کی طاقت ہے اور یہ حسن ابن علی کا بیٹا ہے۔ خبردار اس کے مقابلے میں اکیلے نہیں بلکہ مل کر جاؤ۔ آپ

نے بار بار پکارا مگر کوئی بھی آپ کے سامنے نہ آیا۔ آخر آپ نے خود ہی دشمن کے نرغہ میں جا گھسے کبھی دائیں اور کبھی بائیں حملے کئے اور یزیدیوں کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔ جب عمرو سعد نے شہزادہ قاسم کا انداز جنگ دیکھا تو چلا اٹھا۔ او یزید کے تنخواہ دارو تمہاری شجاعت و بہادری کہاں گئی۔ کہ تم تین دن کے پیاسے ایک نئی عمر کے بچے پر قابو نہیں پا سکتے۔ اور پھر عمرو سعد نے ارزق سے کہا کہ تمام عراق میں تیری بہادری کے چرچے ہیں۔ لہٰذا اس بچے کے مقابلہ میں تم جاؤ۔ ارزق نے جواب دیا کہ ایک بچہ سے لڑنا میری شہسواری کی توہین ہے۔ عمرو سعد کہنے لگا اسے بچہ نہ سمجھ یہ دیکھ کہ یہ لخت جگر کس کا ہے۔ یہ کس کا نور نظر اور کس کا پوتا ہے۔ اس کا باپ حسن ہے۔ اس کا دادا شیر خدا علی ہے اور اس کی رگوں میں بھی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون ہے۔ ارزق کہنے لگا پہلے میں اپنے لڑکے کو بھیجتا ہوں پھر دیکھا جائے گا۔

چنانچہ ارزق کا وہ لڑکا جس کی شہسواری پر اسے ناز تھا حضرت قاسم کے مقابلہ میں آیا۔ آتے ہی آپ نے اس زور سے اسے نیزہ مارا جو اس کے جسم سے پار ہو گیا۔ اور وہ حضرت قاسم کے ایک وار کو بھی برداشت نہ کر سکا۔ تڑپتا ہوا زمین پر آگرا اور گر کر ختم ہو گیا۔ پھر تیسرا اور چوتھا آیا۔ وہ تمام ہی آپ کے سامنے پھٹکنے نہ پائے تھے۔ کہ چند منٹوں میں ہی جوانیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اور چاروں کے چاروں جہنم رسید ہو گئے۔ جب ارزق نے اپنے بیٹوں کا یہ حال دیکھا تو غصہ سے بھڑک اٹھا اور بڑے ہی جوش و جذبہ سے حضرت قاسم کی طرف میدان میں آیا۔ آتے ہی وار کیا۔ آپ نے اسے بڑی ہی ہنرمندی سے روک لیا۔ اس کے بعد بڑی چالاکی سے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے لگا۔ حضرت قاسم نے فرمایا۔ اپنے آپ میں تو بڑا شہسوار بنا پھرتا

ہے۔ ذرا اپنی سواری تو دیکھ کہنے لگا۔ کیا بات ہے۔ فرمایا تجھے یہ گھوڑے کا
تنگ بھی کسنا یاد نہیں ہے۔ ازرق نے نیچے دیکھا اور بچلا گیا۔ ازرق کے ہوش
اڑ گئے اور سمجھ گیا کہ واقعی یہ بچہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو بڑا دانا معلوم ہوتا ہے
چنانچہ ازرق اس پریشانی کے عالم میں حضرت قاسم سے برسر پیکار تھا آپ نے اس
پر ایسا ٹھکانے پر وار کیا کہ اس کا سر بھی تن سے جدا کر دیا وہ بھی کربلا کی ریت پر تڑپنے لگا اور یزیدیوں کو بتادیا
کہ اگر اہل بیت پر پانی بند نہ کیا جاتا تو کوئی مشکل نہیں تھا کہ تمام کوفیوں
کا نشان مٹا دیتے۔ ادھر خیموں میں حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ
عنہ، قاسم شہزادہ کا انداز جنگ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور دل ہی دل
میں قاسم کو شاباش دے رہے تھے۔ واہ قاسم تو نے لڑائی کا حق ادا کر دیا۔
اور دنیا والوں کو بتا دیا ہے کہ جس کے دل میں ایمان کی قوت ہو اس کے مقابل
کوئی طاقت، طاقت نہیں اور جب ایک سچا مجاہد اسلام کفر کے مقابلہ کے لئے
نکل پڑتا ہے تو باطل خاکستر ہو جاتا ہے اور پھر جب تک ہر طرف سے حق کی
آواز بلند نہیں ہوتی اس وقت تک دم نہیں لیتا۔ بالآخر حضرت قاسم لڑتے
لڑتے تھک بھی چکے تھے۔ جب قوم اشقیاء نے سمجھا کہ اس بچہ کی زد سے ہمارا
بچنا مشکل ہے تو انہوں نے چاروں طرف سے حملے شروع کر دیئے اور ایک
مردود نے آپ پر نیزہ کا ایسا وار کیا۔ جو جسم سے پار ہو گیا۔ آپ زخمی ہو کر
گھوڑے کی زین سے زمین پر آ گئے۔ آپ نے آواز دی چچا جان مجھے پکڑنا
حضرت امام نے جب شہزادہ قاسم کی آواز سنی تو آپ جلدی سے میدان میں
پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ شہزادہ قاسم تڑپ رہا ہے۔ آپ نے حضرت قاسم کو ہاتھوں
پر لیا۔ اٹھا کر خیموں کی طرف آ رہے تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد فرزندانِ آلِ رسول میں سے حضرت شہزادہ علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ کربلا میں جانے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔

شہادت حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کون علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

علی اکبر امام الاولیاء کا نوجوان بیٹا
علی اکبر شہید کربلا کا پاسباں بیٹا

علی اکبر گلستانِ نبی کا بہترین غنچہ
علی اکبر بہارِ خلد کا سب سے حسین غنچہ
علی اکبر مبشر کربلا کے جانبازوں کا
علی اکبر مؤذن عشق آسودہ نمازوں کا

سیدنا امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیموں میں تشریف لائے اور فرمایا اگر یزیدیوں سے دشمنی و عداوت ہے تو مجھ سے اگر وہ بیعت مانگتے ہیں تو میری۔ اگر سر مانگتے ہیں تو میرا۔ لہٰذا میدانِ جنگ میں میں خود جاتا ہوں۔ جب خاندانِ اہل بیت نے یہ سُنا تو سب کانپ گئے۔ شہزادہ علی اکبر دست بستہ اپنے مشفق و مہربان باپ کے روبرو کھڑے ہو گئے۔ عرض کی ابا حضور میرے جیسے جوان بیٹے کے ہوتے ہوئے۔ بوڑھے باپ کو کیا فکر فرمایا بیٹا تو میری اٹھارہ سال کی کمائی ہو۔ میں اپنی آنکھوں سے تیری جوانی ختم ہوتی دیکھ نہیں سکتا۔ عرض کی ابا حضور اُس جوان کی جوانی کا کیا فائدہ جو مشکل وقت میں اپنے بوڑھے باپ کے کام نہ آسکے۔ اگر آپ میری لاش کو تڑپتی نہیں دیکھ سکتے تو میں بھی اپنے بوڑھے باپ کا سر نیزے کی نوک پر برداشت نہیں کر سکتا۔ میرے امام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

فرمایا بیٹا میری طرف سے اجازت ہے اور پھر امام عالی مقام نے خود اپنے لختِ جگر کو تیار کیا۔ لباسِ جنگ پہنایا۔ ہاتھوں میں ہتھیار دیئے اور شاعر نے یوں کہا۔ کہ

ب دیکھو قدرتاں پاک امام دیاں علی اکبر نوں آپ تیار کیتا
چھاتی لاوندا منہ نوں چم داسی ہر بات توں خوب ہوشیار کیتا
کمر بنھ کے آپ ہتھیار لائے وچہ غازیاں مرد جرار کیتا
منظر حیدری وقت عجیب ہوسی جدوں پکڑ کے آپ اسوار کیتا

اور پھر خیموں میں تمام خیموں والوں کی طرف سے آخری سلام کے لئے حاضر ہوئے تو خیموں میں ایک حشر بپا ہو گیا۔

اک حشر تھا بپا جُدا اب عابد جو ہونے تھے
جھُولے میں پھُوٹ پھُوٹ کر اصغر بھی رونے تھے

کسی کا بھی دل نہ چاہتا تھا کہ یہ ہم شکل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے جُدا ہو جائے جب علی اکبر اپنی امی جان حضرت شہر بانو کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ماں نے آہیں بھرتے ہوئے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ فرمایا بیٹا۔ میری خواہش تھی کہ تیری شادی کرتی تیرے سر پہ سہرا باندھتی تیرا گھر بستا ہوا دیکھتی۔ چلو دنیا کا دولہا بنتے ہوئے تو نہیں دیکھا آج تیری ماں تجھے شہادت کا دولہا بنائے گی۔ یہ کہہ کر ایک گٹھڑی کھولی اور اس میں سے ایک پرانی سی پگڑی نکالی۔ جسے دیکھ کر سب نے چوم لیا۔ کیونکہ یہ نانا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار مبارک تھی۔ ماں نے وہ پگڑی ۱۸ سال کے جوان علی اکبر کے سر پر رکھی۔ دل تو تڑپ گیا۔ فرمایا بیٹا ماں کی طرف سے دولہا بن گئے ہو۔ اور اب جاؤ شہادت کا جام نوش کر کے شہادت کا دولہا بن جاؤ۔

مقتل کو جانے والے حافظ تیرا خدا ہو
جب جان تھی یہ تیری تو دینے میں کیوں گلا ہو
اے اللہ راضی ہیں اس میں جس میں تیری رضا ہو

بالآخر آپ میدانِ کارزار میں جانے کے لئے جب گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو رو پڑے۔ امام عالی مقام نے پوچھا بیٹا کہیں میدانِ جنگ سے ڈر تو نہیں گیا عرض کی۔ ابا جان ڈر اور خوف کی کوئی وجہ نہیں، رونا اس لئے ہوں، کہ جب ہم مدینے سے چلے تھے۔ تو میں بہن صغریٰ سے ایک وعدہ کر کے آیا تھا۔ کہ میں تجھے ساتھ لے جاؤں گا۔ مگر علی اکبر سے وہ وعدہ پورا نہ ہو سکا۔ ابا حضور آپ صغریٰ سے کہہ دینا کہ وہ مجھے معاف کر دے۔ امام عالی مقام کی ہچکی بندھ گئی۔ فرمایا۔ ٹھیک ہے میں کہہ دوں گا اب جاؤ اللہ کے سپرد علی اکبر اپنے باپ کو آخری سلام کہتے ہوئے۔ اس انداز سے میدان میں نکلے جیسے کوئی شیر بھیڑ اور بکریوں کے ریوڑ میں آتا ہے اور آتے ہی آپ نے کوفیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا سنو اے کوفیو! میں حسین ابن علی ہوں۔ میرا دادا مرتضٰے ہے۔ میرا نانا مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ آؤ میرے باپ جیسا کسی کا باپ ہے تو دکھاؤ۔ میرے نانے جیسا ہے تو کوئی بتاؤ۔ امام کے اٹھارہ سال کے جوان علی اکبر نے جب دشمن کی طرف نظر اٹھائی اور ذوالفقار حیدری کو چمکایا۔ ادھر عمرو سعد اپنے لشکر سے پوچھنے لگا۔ یہ سوار کون ہے۔ جس کی صورت نظروں کو خیرہ کر رہی ہے۔ جس کی ہیبت سے بہادروں کے دل کانپ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ حسین کا بیٹا علی اکبر ہے۔ اور اس کے حسن و جمال کی وجہ یہ شبیہہ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ کاش کہ وہ یہ سوچتے کہ ایسے جلیل القدر مہمان کے ساتھ یہ سلوک کرنا کہاں کی وفاداری اور کہاں کی مسلمانی ہے۔

لیکن ابن زیاد کے وعدوں اور یزید کے انعام و اکرام کے لالچ نے انہیں آلِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظمت کو جاننے سے اندھا کر رکھا تھا۔

حضرات!

آج بھی کچھ لوگ ہیں جو اہل بیت کی عظمت کو نہیں سمجھتے اور ان کی شان میں توہین آمیز لفظ بولتے ہیں۔ شاید یہ بھی انہی کی نسل سے ہیں۔ اُدھر شہزادہ علی اکبر نے للکارا۔ ہے کوئی بدبخت میرے مقابلہ میں آنے والا۔ مگر ان بے وفاؤں اور اہلبیت کے دشمنوں میں کسی کو بھی جراٴت نہیں کہ آپ کے مقابلہ میں آتے۔ علی اکبر نے پھر نعرہ مارا۔ اور فرمایا اے مردودو! اگر اولادِ فاطمہ کے خون کی پیاس ہے تو آؤ۔ مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ اس کے بازوؤں میں بھی علی شیرِ خدا کی طاقت ہے۔ آپ نے جب دیکھا کہ ان دنیا کے کتوں میں سے کوئی بھی سامنے نہیں آتا تو خود ہی گھوڑے کی باگ پکڑی ایڑی لگائی اور بجلی کی طرح لشکرِ یزید پر حملہ آور ہو گئے۔ جس طرف بھی بڑھے یزیدیوں کو تباہ کرتے گئے۔ کبھی میمنہ پر جھکے تو اُسے منتشر کر دیا۔ اور جب میسرہ پر پلٹے تو صفوں کی صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ دشمنوں کے سر مولی گاجر کی طرح تن سے جُدا ہو گئے۔ بہادروں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں کبھی نیزے کی ضرب کبھی نعروں کی جھنکار تو کبھی تلوار کے وار۔ سخت دھوپ میں جنگ کرتے کرتے جب پیاس محسوس ہوئی تو سواری کی باگ موڑی اور سیدھے امام برحق کے قدموں میں عرض کی یَا اَبَتَاہُ اَلْعَطَشْ۔ اے مہربان باپ ایک گھونٹ پانی کا مل جائے۔ عرض کی ابا حضور اگر شدتِ پیاس کے وقت چند قطرے حلق کو تر کرنے کے لئے مل جائیں تو یہ فاطمی شیر ان ظالموں کو صفحہ ہستی سے ختم کر دے۔ شفیق باپ نے اپنے بیٹے علی اکبر کے چہرہ سے گرد و غبار

صاف کیا۔ اور فرمایا بیٹا تیرے باپ نے ساری زندگی تیری خواہشات کو پورا کیا ہے مگر آج میرے لئے تیرا یہ سوال بڑا عظیم ہے۔ لو پانی تو نہیں میری زبان ہی منہ میں لے کر چوس لو۔ جب شہزادہ علی اکبر نے اپنے ابا حسین کی زبان کو اپنے منہ میں لے کر چوسا تو تسنیم کوثر کے مزے آ گئے۔ فرمایا بیٹا جاؤ اب اللہ کے حوالے جاؤ عظمتِ اسلام کے لئے قربانی دو۔ جاؤ شریعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تحفظ کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرو۔ وہ دیکھو جنت کی حوریں حوضِ کوثر کے جام لئے کھڑی انتظار کر رہی ہیں۔ اب پھر شہزادہ علی اکبر میدان میں پہنچے اور صدا بلند کی ہے کوئی جان پر کھیلنے والا تو سامنے آئے۔ عمرو سعد نے طارق سے کہا کہ بڑی شرم کی بات ہے۔ کہ اہلبیت کا اکیلا نوجوان میدان میں للکار رہا ہے۔ تین دن سے پانی بھی بند ہے اور تیز دھوپ بھی ہے کربلا کا تپتا ہوا ریگستان بھی اور پھر بدن پر لگے ہوئے لوہے کے ہتھیار جو کہ سورج کی تپش سے آگ بن چکے ہیں۔ بھوکا ہے پیاسا ہے۔ دھوپ میں لڑتے لڑتے تھک بھی چکا ہے۔ مگر پھر بھی اس میں بہادرانہ اور مجاہدانہ دوڑ دھوپ ہے۔ تمہاری اس شجاعت و بہادری پر افسوس ہے اگر کچھ غیرت ہے تو نکل میدان میں میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں۔ اگر تو نے اس سے مقابلہ کر کے اسے شکست دے دی تو ابن زیاد سے تجھ کو موصل کی حکومت دلا دوں گا۔ طارق نے کہا مجھے ڈر ہے کہ میں اولادِ رسول سے مقابلہ کر کے اپنی عاقبت بھی خراب کر لوں اور تو اپنے وعدے سے بھی پھر جائے۔ تو نہ میں دنیا کا رہا اور نہ ہی دین کا اس پر ابن زیاد نے قسم کھائی اور پختہ وعدہ کیا۔ ادھر طارق بن اشعث موصل کی حکومت کے لالچ میں شہزادہ علی اکبر کے مقابلہ کے لئے چلا اور پہنچتے ہی علی اکبر پر نیزے کا وار کیا۔ آپ نے وار روکا اور اس کے سینہ پر کینہ پر ایک

ایسا نیزہ مارا کہ طارق کی پیٹھ سے نکل گیا اور وہ گھوڑے سے زمین پر آگرا۔
طارق کے بیٹے عمرو بن طارق نے دیکھا تو طیش میں آگیا اور گھوڑا دوڑا کر شہزادہ
علی اکبر پر حملہ آور ہوا۔ علی اکبر نے ایک ہی نیزے سے اس کا کام تمام کر دیا۔
اس کے بعد اس کا بھائی طلحہ بن طارق اپنے باپ اور بھائی کا بدلہ لینے کے
لئے میدان میں آیا۔ سیدنا حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے
گریبان میں ہاتھ ڈال کر اسے زمین سے اٹھا کر اس زور سے مارا کہ اس کی
پسلیاں ٹوٹ گئیں اور دم نکل گیا۔ شہزادہ علی اکبر کی ہیبت سے لشکر یزید
میں شور برپا ہو گیا۔ لڑتے لڑتے پھر پیاس کی شدت بڑھ گئی۔ پھر گھوڑا
دوڑا کر والد محترم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ العطش العطش
ابا حضور پانی مل جائے۔ اس بار امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا
اے میرے نور العین اب حوضِ کوثر سے سیرابی کا وقت قریب آگیا ہے۔ نانا مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ اقدس سے وہ جام ملے گا۔ جس کی لذت نہ
تصور میں آسکتی ہے اور نہ ہی زبان بیان کر سکتی ہے۔ یہ سنتے ہی آپ ایک
بار پھر میدان کی طرف لوٹے۔ اس بار ظالموں نے مل کر حملہ کر دیا۔ چاروں
طرف سے تیروں، تلواروں اور نیزوں کی بارشیں ہونے لگیں۔ چنانچہ آپ
کا جسم نازنین زخموں سے چور ہو گیا۔ زخمی حالت میں آپ گھوڑے سے زمین
پر آگرے۔ اس وقت آپ نے آواز دی۔

یَا اَبَتَاہُ اَدْرِکْنِیْ۔ اے ابا جان مجھے پکڑنا۔ سیدنا امام عالی مقام
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنکھ کھولی۔ تو دیکھا کہ سر باپ کی گود میں ہے۔ عرض کی
ابا جان اگر میدانِ کارزار میں لڑتے ہوئے مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو
معاف کر دینا اور میری طرف سے آخری سلام قبول کرنا یہ کہہ کر باپ کی

محبت میں آہیں بھرتے ہوئے دم توڑ گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اور پھر!

جدوں لاش اکبر دی خیمے وچہ آئی سکینہ نے رو رو کے پائی دوہائی
ہٹو اگوں مینوں دی ویکھن تے دیوو ویکھیں پھرے لا میرا ویر آگیا اے

جب امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ میرا جوان جامِ شہادت نوش کر چکا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور رضائے الٰہی پر صبر کیا۔

دائم اقبال کہتا ہے کہ :-

گلاں نال تے ہر کوئی لائی پھردا	لا کے توڑ نبھانیاں اوکھیاں نیں
اصغر بتھاں دے وچہ کھا دیناں	نالے باہیں کٹانیاں اوکھیاں نیں
یار وچھانیاں نیزے دی نوک اُتے	لوہے یار دے پانیاں اوکھیاں نیں
دائم اکبر جوان دی لاش اُتے	ہنجوں ناں وگانیاں اوکھیاں نیں

وَاٰخِرُ دَعْوٰی نَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰالَمِیْنَ ۔

(روضۃ الشہداء۔ سوانح کربلا۔ اوراقِ غم۔ شانِ حسین)

○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آزمائشِ الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۰ وَاَفْضَلُ
الصَّلٰوٰتِ وَ اَکْمَلُ التَّحِیَّاتِ عَلٰی
صَاحِبِ الشَّرِیْعَۃِ الْغَرَّاءِ وَ
السُّنَّۃِ الزَّھْرَاءِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ
صَحْبِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ اَبْنَائِہٖ وَحِزْبِہٖ
اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ مَبْلَ اٰبَدِ الْاٰبِدِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ۔
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ
وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ
وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ ۰ پ۲

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَبَلَّغَنَا رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ ط

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں محبت کے ساتھ ہدیہ درود و سلام پیش کریں۔

حضرات محترم!

میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید، فرقان حمید کی ایک آیہ کریمہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ جس میں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کی آزمائش اور ان کے امتحان کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ۔	اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو۔

معزز سامعین!

یہ ایک قانون قدرت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو مختلف آزمائشوں میں مبتلا کرکے ان کا امتحان لیتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کون ہے جو میری آزمائش پر صبر کرتا ہے۔ پھر جو لوگ ہر حال میں اپنے مالک کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ وہ انہیں عظمتوں اور بلندیوں سے نوازتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے امتحان کیوں لیتا ہے۔ اس لئے کہ جو گنہگار ہوگا اگر وہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی آزمائش پر صبر کرے گا اسے بخش دیا جائے گا اور جو نیک ہوگا اس ذات والا شان کا مقبول اور محبوب

ہوگا تو اس کے درجے بلند کردیئے جائیں گے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۔	اگر تم شکر کرو گے تو تم پر نعمتیں زیادہ کر دوں گا اگر ناشکری کرو گے۔ بے شک میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

یعنی کسی بھی مصیبت کے آجانے پر اگر تم صبر اور شکر کا مظاہرہ کرو گے تو وہ غفور الرحیم ذات تم پر اپنے انعامات کی فراوانی کردے گا۔ اگر ناشکری اور واویلا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے اور کوئی بھی اس کے عذاب اور اس کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔ مگر وہی جس پر اس ذات کی مہربانی ہو جائے۔ انسان کو چاہیئے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے اور اس کی رضا پر راضی رہے۔ اس لئے کہ خوشی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اور غمی بھی دکھ بھی اسی ذات باری تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور سکھ بھی سوچنا تو اس بات کو ہے کہ جس ذات نے دکھ میں مبتلا کیا ہے سکھ بھی وہی عطا کرنے والا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا پ۳۰	بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔

میاں محمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

مشکل یاد ن والا آپ اے — تے آپے ہے حل کر دا
عاشق نوں لا روگ پریم دا — تے دل سجن ول کر دا

راضی برضائے الٰہی !

لیکن جب امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وقت
[ا]متحان آتا ہے۔ تو آپ ایسے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ راضی برضائے
[ال]ہی پر اپنا گھر، مال، وطن، اپنے بیٹے، بھتیجے، بھانجے اور بھائی بلکہ سارا خاندان
[او]ر رفقاء کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دینے کے بعد خود بھی نیزے کی نوک
پر چڑھ گئے اور دنیا والوں کو بتا دیا کہ :-

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد
(محمد علی جوہر)

کون حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ !

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حسین
جس نے اپنے خون سے عالم کو دھویا وہ حسین
جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین
جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین
جس نے اپنے بچوں کی دی سخاوت وہ حسین
ہنس کر جس نے پی لیا جامِ شہادت وہ حسین

حضراتِ گرامی !

امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑے بڑے مصائب
سے گزرنا پڑا۔ سب سے پہلے اپنا گھر چھوڑا۔ آپ جانتے ہیں کہ کس کا دل
چاہتا ہے کہ اپنا وطن چھوڑے۔ مگر جس وقت آقا حسین نے اپنا وطن چھوڑا

صبح و شام فرشتے آتے ہوں۔ جس روضہ رسول کی زیارت کے لئے ہر انسان تڑپتا ہو جہاں دن رات اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہو) چھوڑا اس وقت نواسۂ رسول کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ مگر امام عالی مقام نے صبر کیا۔ آقا حسین پر پانی بند کیا گیا۔ کوئی درخواست کوئی التجا کوئی ہائے وائے نہیں۔ بلکہ حسین نے صبر کیا۔ آنکھوں کے سامنے عزیز و اقربا۔ رفقاء بیٹے اور بھانجے قربان ہوئے مگر حسین نے صبر کیا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ فرمانِ الٰہی ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ۔ اور میں آزماؤں گا۔

معزز سامعین!

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں اگر کوئی بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کروایا جاتا ہے۔ اگر بیماری بڑھ جائے۔ ہائے وائے نہیں کی۔ اور مریض کمزور ہو جائے پھر اسے خون دیا جاتا ہے۔

خون کی ضرورت!

اور پھر خون بھی اس شخص کا لیا جاتا ہے۔ جس کا گروپ اس مریض کے خون سے ملتا ہو۔

مثلاً اگر مریض کے خون کا گروپ اے پازیٹو ہو تو اس کو اسی شخص کا خون لگایا جائے۔ کیونکہ آپ جانتے تھے۔ جس کے خون کا گروپ مذکورہ ہو کہ ہر شخص کے خون کا گروپ ایک نہیں ہوتا مختلف ہوتے ہیں۔ کسی کے خون کا گروپ اے پازیٹو اور کسی کا بی پازیٹو تو کسی کا اے، بی پازیٹو اور کسی کا او پازیٹو اور کسی کا بی نیگیٹو کسی کا اے، بی نیگیٹو کسی کا او نیگیٹو ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب یزید کے فسق و فجور کے باعث دین اسلام بیمار پڑ گیا اور خون کی

ضرورت پڑی تو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔ یا اللہ میں حاضر ہوں۔ گویا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ حسین مجھے اپنے دین کو قائم رکھنے کے لیے تیرا اٹھارہ سال کا علی اکبر چاہیئے۔ حسین نے عرض کی مولیٰ میں حاضر ہوں فرمایا قاسم کا خون چاہیئے۔ عرض کی حاضر ہے۔ فرمایا تیرے بھانجوں بھتیجوں بھائیوں اور بیٹوں کا خون چاہیئے عرض کی حاضر ہے۔ بلکہ فرمایا۔ حسین اب تیرے خون کی بھی ضرورت ہے۔ عرض کی یا اللہ میں حاضر ہوں۔

حضرات!

اصل میں میدانِ کربلا میں اللہ تعالیٰ حسین سے جانیں خرید رہا تھا۔ اور حسین جنت کے بدلے جانیں دے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ۔ پ۱۱	بے شک اللہ تعالیٰ جنت کے بدلے مومنوں کی جانوں اور ان کے مالوں کا خریدار ہے۔

اس آیہ کریمہ کے مصداق حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خون کی نہریں بہا دیں اور ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا	بے شک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو اس

وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ	جنّت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

پ ۲۴

اس آیہ کریمہ کے مصداق بھی آقا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہیں کہ آپ نے کلمہ حق بلند کیا اور اس پر ایسے ڈٹے کہ سب کچھ قربان کر دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نام پر آنچ نہ آنے دی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ پ ۱۱	خبردار بے شک اللہ کے ولی نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیہ کریمہ کے مصداق بھی امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہیں کہ آپ نے خلاف اسلام ہر بات کو ٹھکرا کر ہر ظلم کو برداشت کر لیا مگر ظالم سے خوفزدہ ہو کر جھکے نہیں۔ لہٰذا اس آیت کے مصداق بھی حسین ہیں۔

امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عزیز و اقارب اور خاندانِ اہلبیت کے نفوس ایک ایک کر کے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر چکے ہیں۔

شہادت حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

کون علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ؟

حسین کا لختِ جگر، شہر بانو کا نورِ نظر، چھ ماہ کا علی اصغر کمسن بھی ہے شیر خوار بھی، اور پیاس کی شدّت سے بے تاب بھی۔ چمنستانِ زہرا کا پھول خاندانِ اہلبیت کا چشم و چراغ۔

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیموں میں تشریف لائے۔ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ چھ ماہ کا معصوم پیاس کی شدت سے تڑپ رہا ہے۔ مظلوم کی خشک زبان باہر نکلتی ہے۔ جب باپ قریب ہوتے تو

اصغر نے آنکھیں کھول کر دکھایا رخ پدر
سوکھی زبان دکھائی کہ پیاسا ہوں اے پدر

چھ ماہ کا علی اصغر بے چینی سے ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا ہے۔ ماں کا دودھ خشک ہو چکا ہے۔ پانی کا کوئی نام و نشان نہیں۔ مگر بچہ بار بار سوکھی زبان دکھاتا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ ظالموں نے پانی بند کر دیا ہے۔ بچے کی یہ حالت دیکھ کر ماں کا دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ کبھی پدر مہربان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کہ شاید اس بے کسی و بے بسی کے وقت مجھے پانی کا ایک گھونٹ مل جائے۔ جب ماں کی ممتا نے بار بار اپنے معصوم کی یہ حالت دیکھی تو رہا نہ گیا۔ آخر حضرتِ امام کی خدمتِ اقدس میں عرض کر ہی دیا۔ اے میرے آقا سب شہید ہو گئے۔ میں نے کوئی شکوہ شکایت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور بھی مصائب آ جائیں تو برداشت ہو سکتے ہیں۔ مگر اس معصوم کی حالت اب نازک ہو چکی ہے اور یہ مہکتا ہوا پھول اب کملا رہا ہے۔ ۱۸ سال کا علی اکبر اپنی جوانی لٹا گیا۔ قاسم نانے کے دین پر اپنی جان دے گیا۔ عباس علمدار اپنے بازو قلم کروا کر شہید ہو گئے۔ بلکہ تمام رفقاء اور عزیز و اقارب اپنی اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر گئے۔ میں نے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ مگر آقا اب اس بچے کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ دیکھئے یہ کس طرح تڑپ تڑپ کر بے خود ہو رہا ہے۔ حضور قصور ہے تو ہمارا۔ بیعت نہیں کی تو ہم نے نہیں کی۔ اس بچے کو کیا علم اور اس کا کیا قصور۔ خدارا اسے

گود میں اٹھالو اور ان سنگدل ظالموں کے پاس لے جاؤ۔ شاید کسی اولاد والے کے دل میں رحم آجائے اور پانی کے چند قطرے مل جائیں۔ جب حضرت امام نے شہر بانو کی اس آرزو کو سنا تو آپ نے فرمایا۔ شہر بانو میں جانتا ہوں کہ تو نوشیرواں عادل کی پوتی ہے۔ تو ریشمی بستروں پر سونے والی۔ سونے اور چاندی کے برتنوں میں پانی پینے والی۔ محلات میں رہنے والی میں نے ساری زندگی تیری تمام خواہشات کو پورا کیا ہے۔ مگر آج حسین اصغر کے لئے پانی لانے میں مجبور ہے بالآخر حضرت شہر بانو کے اصرار پر امام برحق نے فرمایا مجھے امید تو نہیں کہ ان سنگدلوں کو میرے اس کمسن پر کوئی ترس آئے۔

مگر اتمام حجت کے لئے (تاکہ کل قیامت کے روز یہ نہ کہیں کہ ہمیں پتہ نہیں تھا) اپنے نورِ نظر کو اٹھایا اور سینے سے لگا کر دشمن کی طرف چل دیئے اور فرمایا اے بے وفاؤ اگر قصور ہے تو میرا۔ اگر یزیدی حکومت کو تسلیم نہیں کیا تو میں نے نہیں کیا۔ اگر بیعت نہیں کی تو میں نے نہ کی۔ یہ میرا بچہ بے قصور ہے۔ اور یہ کسی کی بیعت کو جانتا بھی نہیں اور نہ ہی اس کے ہاتھ میں کوئی تیر اور تلوار ہے اور دیکھو یہ کس طرح پیاس سے دم توڑ رہا ہے۔ اس کی بے تابی کو دیکھو۔ اسے دو گھونٹ پانی کے دے دو اور اس کے بدلے قیامت کے دن تمہیں نانا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوثر کے جام لے کر دوں گا۔ مگر ان جفاکاروں میں سے کسی پر بھی کچھ اثر نہ ہوا اور کسی کو بھی بے گناہ شیر خوار پر رحم نہ آیا بلکہ

بدلے پانی دے لشکر یزید ولوں آگیا حرمل دا تیر دیکھو
ہتھاں وچہ معصوم دی لاش تڑپی تیدہ ہو گیا ہور دلگیر دیکھو

پانی کے بدلے بدبخت وسیاہ باطن حرمل نے تیر مارا جو حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلق مبارک کو چھیدتا ہوا۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے وہ تیر کھینچا۔ تو معصوم بچے نے تڑپ کر جان دے دی۔ باپ کی گود میں ایک نور کا پتلا خون میں نہا گیا اور چمنستان زہرا کا ایک مہکتا ہوا پھول مرجھا گیا۔ ادھر اہل خیمہ کو یہ گمان ہے کہ بے رحم و بے درد اس بچہ کو تو ضرور پانی دے دیں گے۔ مگر جب حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے معصوم کو خیمہ کی طرف لائے اور ماں نے دیکھا کہ بچے میں اب وہ تڑپ نہیں ہے۔ وہ بے قراری نہیں ہے۔ جو پہلے تھی اور اب بچہ سکون سے ہے۔ شاید پانی پی آیا ہے۔ جب امام سے پوچھا تو آپ نے فرمایا پانی تو نہیں ملا مگر حوضِ کوثر کا مہمان بن آیا ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

پھول کھل کھل کر بہاریں اپنی سب دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بے کھلے مرجھا گئے

حضرات گرامی!

صبح سے شام تک تمام جانثارانِ اہلبیت و خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ ایک ایک کر کے شہید ہو گئے ہیں۔ نظر کے سامنے جن لاشوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ ان میں جگر کے ٹکڑے بھی ہیں اور آنکھوں کے تارے بھی بھائی بھی اور بہن کے لاڈلے بھی اور باپ کی نشانیاں بھی۔ ان پر کوئی افسوس کرنے والا نہیں۔ کوئی رونے والا نہیں۔ اگر ہے تو صرف اکیلا حسین۔ جس کے سامنے قدم قدم پر ایک نئی مصیبت کھڑی ہوتی ہے اور غم و اندوہ کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ دوسری طرف حرمِ نبوت کی خواتین ہیں رسول اللہ کی بیٹیاں، سوگوار مائیں اور پریشان حال بہنیں ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جن کی گودیں خالی ہو چکی ہیں۔ جن کے سینوں سے اولاد کی جدائی کا زخم رِس رہا

ہے ۔ جن کے بھائیوں بھتیجوں اور بھانجوں کی بے گور و کفن لاشیں سامنے پڑی ہیں ۔ سب کے سب جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں ۔ اب صرف اکیلا حیدر کا لال موجود ہے ۔ جو اس قافلے کی آخری اُمید ہے ۔ آخر امام عالی مقام رضی اللہ تعالےٰ عنہ خیموں میں تشریف لے گئے ۔ کبھی بہن کو تسکین دیتے ہیں ۔ کبھی شہر بانو کو تلقین فرما رہے ہیں ۔ کبھی لخت جگر ۔ بیمار عابد کو گلے سے لگاتے ہیں اور کبھی مدینے سے ساتھ آئی ہوئی کمسن بیٹیوں کو مایوس کن نگاہوں سے دیکھتے ہیں ۔ آپ سب کو صبر کی تلقین فرما رہے ہیں ۔ آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ میرے بعد تمہارا معاملہ نازک تر ہوگا ۔ اور تمہارے سروں پر کوئی ہاتھ رکھنے والا نہ ہوگا ۔ گھبرانا نہیں کوئی ساتھی نہیں تو نہ سہی اللہ تعالیٰ تو ساتھ ہے صبر کا مرتبہ بہت بلند ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جس کا وہ ساتھی ہو، اسے کسی ساتھی کی حاجت نہیں یہ دنیا فانی ہے ۔ اس کا عیش و آرام اور ہر چیز فانی ہے ۔ جو پیدا ہوگا وہ فنا ہوگا ۔ جو آج ہمیں مار رہے ہیں کل وہ بھی مر جائیں گے اور ظالم و مظلوم دربارِ الٰہی میں پیش ہوں گے ۔ تمہیں تو فخر ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزمائش کے لئے منتخب فرمایا ہے اور شہادت کے بلند منصب کے لئے چن لیا ہے ۔ امام عالی مقام آخری باتیں کرتے ہوئے خیموں سے باہر نکلے کہ سکینہ باپ سے لپٹ گئی اور بے قرار ہو کر ابا جان سے کہا ۔ ابا جان مجھے کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہو میں آپ کے بعد یتیم ہو جاؤں گی باپ کا چہرہ نظر نہیں آئے گا ۔ کون ہے جو شفقت سے میرے سر پہ پیار دے گا ۔ امام عالی مقام نے بچی کو سینے سے لگا لیا اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے ۔ میدان میں جانے کی تیاری مکمل کی ۔ جب سواری

پر سوار ہونے لگے۔ تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے کہ اب نہ قاسم ہیں۔ نہ ابوبکر و عمر و عثمان اور نہ عون و جعفر اور عباس ہیں جو اب میدانِ جنگ سے روک لیں۔ علی اکبر بھی آرام کی نیند سو چکے ہیں۔ کاش اس وقت کوئی ایسا بھی نہیں ہے کہ رکاب تھامے اور سوار کرائے۔ دل میں یہ غم لیتے ہوئے۔ میدانِ کارزار میں پہنچے۔ حق و صداقت کے روشن آفتاب نے سرزمینِ کربلا میں طلوع فرمایا اور نواسۂ رسول گھر لٹا کر کنبہ کٹا کر سربکف میدانِ جنگ میں موجود ہیں۔ سامنے یزیدی لشکر ہے ادھر اکیلا فاطمہ کا لال۔ مگر قربان جائیں اس حسین عالی مقام کی عظمت پر کہ مصیبتوں کے ہجوم میں بھی پیشانیٔ مصطفیٰ پر شکن تک نہیں پڑتا۔ حضرت امام نے ایک بار پھر کوفیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے ظالمو بتاؤ اگر کل قیامت کے دن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تم سے ہمارے [illegible] کا مطالبہ کیا تو تمہارے پاس کیا جواب ہوگا تم نے جو کرنا تھا وہ کر لیا اب بھی جو کچھ ہوگا۔ میں جانتا ہوں۔ یہ تمام باتیں آپ نے صرف اتمامِ حجت کے لئے بیان فرمائیں کہ انہیں کوئی عذر باقی نہ رہے۔ مگر جو ایمان کے بدلے دنیا کی فانی دولت کا سودا کر چکے تھے۔ ان عقل کے اندھوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔

شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حتیٰ کہ تین دن کا ایک بھوکا پیاسا مسافر تن تنہا بائیس ہزار تلواروں کے نرغے میں ہے۔ تیروں کا مینہ برسا نیزوں کی بارشیں ہوئیں اور تلواروں کی یلغار نے امام عالی مقام کے جسم پاک کو زخموں سے چور کر دیا۔ آپ زخمی ہو کر زمین پر آئے۔ تو ظالم شمر لعین سینے پر بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ ارے ظالم ذرا ٹھہر جا

مجھے نماز ادا کر لینے دے پھر جو تیرا دل چاہے کر لینا۔ چنانچہ جب امام عالی مقام سجدے میں گئے تو اس ظالم نے تلوار مار کر آپ کا سر تن سے جدا کر دیا تو اس طرح امام برحق نے تلواروں کے سائے میں دیدارِ الٰہی کیا اور حُسنِ یار کا جلوہ دیکھا۔ میں کہتا ہوں کسی نے یار کو دیکھا تو غار میں دیکھا ——————— کسی نے یار کو دیکھا تو در و دیوار میں دیکھا ——————— آقا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار کی دھار میں دیکھا۔ آپ نے تلواروں کے سائے میں اپنی نماز کا آخری سجدہ کر کے دنیا کو بتا دیا کہ۔

> نہ مسجد میں نہ مندر میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
> نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

اور

> غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
> نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل

امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سر تو کٹوا لیا مگر نماز کو قضاء نہ ہونے دیا۔

اس لئے یہ بتانا تھا۔

> سید سو ہے جو کرے سجدہ!
> سید سجدے نوں کدے وی چھڈ دا نئیں
> بھانویں چھاتی تے شمر لعین ہووے!
> ہووے اصلی تے سجدیوں ہٹدا نئیں

شہادت کے بعد سر اقدس کو نیزے کی نوک پر چڑھا دیا گیا اور تمام یزیدیوں نے دیکھا کہ حسین نیزے کی نوک پر بھی قرآن پڑھ رہا ہے۔

پڑھو ہر دم درود اس پر شجاعت ہو تو ایسی ہو
علی بابا، نبی نانا شرافت ہو تو ایسی ہو!
سرِ نیزے یہ حضرت نے سنایا یُوں کلام اللہ
پیغمبر بھی ہوئے حیران تلاوت ہو تو ایسی ہو

حضرات!

یہ سب خالق کائنات کی قدرتیں اور اس کی بے نیازیاں ہیں۔ کہ جس سے جیسا چاہتا ہے امتحان لیتا ہے۔

مگر ہم تو یہی جانتے ہیں۔ کہ مولا قہار بھی تو ہے ـــــ جبار بھی تو ہے ـــــ کبھی مدینے کی گلیوں میں پھرا دیتا ہے ـــــ کبھی نبی کے کاندھوں پر سوار کروا دیتا ہے ـــــ کبھی نیزے کی نوک پر چڑھا دیتا ہے۔ ادھر سرِ حسین نیزے کی نوک پر ہے۔ جب خیموں سے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نظر میدانِ کارزار میں پڑی تو کیا دیکھتی ہیں کہ ظالم لاش پر گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔ تو بنتِ علی چلا کر بولیں۔ ارے ظالم ابن سعد شرم کر خدا تیرا خانہ برباد کرے تو اسی جگہ غرق ہو جائے۔ کیا تجھے کوئی لحاظ نہیں۔ جس سینے پر گھوڑے دوڑا رہا ہے۔ اس سینے اقدس کو نبی بوسے دیتے رہے ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گرجتی ہوئی آواز سُن کر عابد بیمار لڑکھڑاتے ہوئے اپنے بستر سے اٹھے اور قریب تھا کہ شمر پر تلوار مار کر اس کا خاتمہ کر دیتے کہ کمزوری اور نقاہت سے زمین پر گر پڑے۔ شمر کو پتہ چلا کہ یہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخری نشانی ہے۔ اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے بھی قتل کر دو تاکہ حسین کا نام و نشان مٹ جائے۔ لیکن ابنِ سعد نے منع کر دیا۔ کہ یہ فیصلہ یزید خود ہی کرے گا۔ شام ہو چکی تھی۔ یزیدی فوج کے سردار فتح کی

خوشیاں منا رہے تھے۔ ادھر خیمے والوں کی یہ شامِ غریباں قیامت سے کم نہیں تھی۔ ساری فضا سوگ میں ڈوب گئی۔ زندگی کی یہ پہلی سوگوار رات حضرت زینب اور شہر بانو پر قیامت کی گھڑی بن گئی اور کسی شاعر نے کہا۔

پہلی رات بھرا جین با جھوں جانے رب جیویں بھین گزار دی اے
روزِ محشر بھیں وِدھ اوہ شب فرقت جند لباں تے بھین دکھار دی اے
سیّد چھانی تیراں دے نال ہویا سینہ حیدری انتے پکار دی اے
دِیرن بول اک وار میں بھین صدقے رو رو اکھیوں خون بہاندی اے

ساری رات خیموں سے سسکیوں کی آوازیں آتی رہیں۔ بڑی مشکل سے صبح ہوئی۔ ہر طرف روشنی پھیلی، دن چڑھنے پر عمرو بن سعد اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ اونٹنی لے کر آیا۔ اس کی ننگی پُشت پر حرمِ نبوّت کو سوار ہونے کا حکم دیا گیا۔ نرم و نازک ہاتھوں کو رسّیوں سے جکڑ دیا گیا۔ چنانچہ اہلبیت کا یہ لٹا ہوا قافلہ اپنے شہیدوں کی روحوں پر فاتحہ پڑھتا ہوا۔ میدانِ کربلا سے رخصت ہوا اور خولی جگر گوشۂ بتول کا سر نیزے پر لٹکائے ہوئے اسیرانِ حرم کے اونٹوں کے آگے آگے تھا۔ یہ دیکھ کر فاطمہ کی لاڈلی سیّدہ زینب بے تاب ہو گئیں اور مدینے کی طرف منہ کر کے دل ہلا دینے والی آوازیں اپنے نانا جان کو مخاطب کر کے عرض کرنے لگیں۔ یارسول اللہ یہ دیکھئے آپ کا کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھوں آپ کی تمام اولاد قتل کر دی گئی۔ آپ کی بیٹیاں قید ہیں۔ ہاتھ باندھے ہوئے ہیں۔ پردیس میں ہمارا کوئی فریاد رس نہیں۔ سیّدہ کے اس بیان پر کوئی دوست دشمن ایسا نہیں تھا جو آبدیدہ نہ ہوا ہو۔ اسیرانِ اہلبیت کا قافلہ آہستہ آہستہ کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا اور ایک شام ایسی بھی آئی کہ قافلہ کوفہ میں پہنچنے ہی والا تھا کہ سیّدہ کی نظر اُٹھی کیا دیکھتی ہیں کہ ایک بوڑھی

مائی آوازیں دیتی آرہی ہے۔ اے قافلہ والو ذرا قافلہ روکو۔ عمرو سعد کے کہنے پر قافلہ رک گیا۔ عمرو سعد نے اس بڑھیا سے پوچھا کیا بات ہے۔ اس نے کہا خدا کے لئے مجھے اس قافلہ کے سردار سے ملایا جائے وہ بوڑھی سیدہ زینب کے قریب آئی۔ دیکھتے ہی قدموں میں گر پڑی۔ سیدہ نے پوچھا اماں جان اس پردیس میں مدینے کے مظلوموں کے ساتھ کیا کام پڑ گیا۔ مائی نے عرض کی سیدہ غریب ہوں۔ محتاج ہوں۔ مگر دل میں اہلبیت کی محبت ضرور ہے۔ جو مجھے کھینچ کر یہاں لے آئی۔ یا سیدہ یہ چند سوکھی روٹیاں اور ربانی ہے اگر قبول کر لو تو میرے لئے اس میں نجات ہے۔ سیدہ زینب نے اس بوڑھی مائی کا نذرانۂ عقیدت قبول کیا تو ساتھ ہی سیدہ حیران ہو گئی۔ آخر کیا بات ہے کہ یہ بوڑھی بار بار میرے چہرے کو دیکھ رہی ہے۔ پوچھا اے بوڑھی مائی کیا وجہ ہے کہ تو بار بار میری طرف دیکھتی ہے۔ عرض کی سیدہ ایک عرصہ گزر گیا کہ میں اللہ کے رسول کی پاک بیٹی سیدہ فاطمہ زہرا کے گھر جھاڑو دیا کرتی تھی۔ میں آلِ رسول کے گھر کی خادمہ ہوں بیٹی میں تجھے اس لئے دیکھ رہی ہوں کہ ان دنوں زہرا کی گود میں ایک بچی تھی جسے کبھی کبھی میں اٹھایا کرتی تھی۔ یہ سُنا تو سیدہ کا دل بے قابو ہو گیا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ بوڑھی مائی نے پوچھا سیدہ روتی کیوں ہو۔ فرمایا مائی جس زہرا کی جائی کا تو ذکر کر رہی ہے وہ بے وطن زینب میں ہی ہوں۔ جب اس بوڑھی نے یہ لفظ سُنے تو رہا نہ گیا۔ تڑپ کر زمین پر آگئی۔ سیدہ نے سہارا دیا۔ مائی نے زینب کو سینے سے لگا لیا۔ عرض کی اے نبی کی نواسی میں آپ کی خدمت میں درخواست کرتی ہوں کہ جب کل قیامت کے دن میں بے سہارا ہوں تو مجھے بھول نہ جانا۔ اور مجھ گنہگار کو بھی اپنی چادرِ تطہیر کے سائے میں جگہ دینا۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا اے بوڑھی مائی جا خدا

بُرا بھلا کرے۔ تو نے اس جنگل بیابان میں ہم مظلوموں کی مہمان نوازی کی ہے۔
میری دعا ہے کہ خدا تجھے دونوں جہانوں میں سُرخرو فرمائے۔ پھر جب قافلہ
جُدا ہونے ہی کو تھا۔ تو اس بوڑھی مائی کی ایسی چیخ نکلی کہ اپنی جان سیدہ کے
قدموں پہ قربان کر دی۔ ادھر دوسرے دن ظہر کے وقت اہلِ بیت کا یہ لُٹا
ہوا قافلہ کوفے کی آبادی میں داخل ہوا۔

قافلۂ اہلبیت کوفہ میں!

بازار میں دونوں طرف سنگدل کوفیوں کا ایک ہجوم ہے۔ خاندانِ نبوّت
کی محرمات نے شرم و حیا سے اپنے سر جھکا لیے۔ تا کہ ان معصوم چہروں پر کسی
غیر کی نظر نہ پڑے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ دل رو رہے ہیں اس احساس
نے زخموں پر اور نمک چھڑک دیا کہ کربلا کے میدان میں جو کچھ ہونا تھا وہ تو
ہو گیا۔ مگر اب محمد عربی کی ناموس کو گلی گلی پھرایا جا رہا ہے اور کوفے والے
فتح کا جشن منا رہے ہیں۔ ابنِ زیاد کے بے غیرت سپاہی قافلہ کے آگے نام نہاد
کامیابی کے نعرے بلند کرتے جا رہے ہیں۔ قافلہ ابن زیاد کے دربار میں پہنچا۔ ابنِ زیاد
اپنے فوجی سرداروں سے کربلا کے واقعات سُن رہا تھا۔ سامنے وہ تشت جس میں سر
حسین رکھا ہوا ہے۔ وہ ابنِ زیاد کے سامنے میز پر رکھ دیا گیا۔ ابن زیاد کے
ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ جسے وہ بار بار امام برحق کے لبوں پہ مارتا اور کہتا کہ
نعوذ باللہ اس منہ سے خلافت کا دعویٰ کرتا تھا۔ اس وقت دربار میں ایک
صحابئ رسول حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔ ان سے یہ گستاخانہ
عمل دیکھا نہ گیا۔ جوش میں چیخ پڑے اور بولے ارے ظالم چھڑی ہٹا لے میں نے
اپنی آنکھوں سے ان لبوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسے دیتے

ہوئے دیکھا ہے۔ ابنِ زیاد غصّہ میں بھڑک اٹھا اور کہنے لگا اگر تو صحابیٔ رسول نہ ہوتا تو میں ابھی تیرا بھی سر قلم کر دیتا۔ حضرت ابن ارقم نے جواب دیا۔ ظالم اگر تجھے نسبتِ رسول کا اتنا ہی پاس ہوتا۔ تو تو ان کے نواسے کو قتل نہ کرواتا۔ اسی اثنا میں سیّدہ زینب ایک بوسیدہ چادر لیئے ہوئے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھیں اور کنیزوں نے آپ کو اپنے جھرمٹ میں لے رکھا تھا۔ ابنِ زیاد کی نظر پڑی تو پوچھنے لگا یہ عورت کون ہے۔ کئی بار پوچھنے پر ایک کنیز نے جواب دیا زینب بنتِ علی ہے۔ ابنِ زیاد کہنے لگا۔ زینب دیکھ اگر تیرا بھائی حسین یزید کی بیعت قبول کر لیتا۔ تو آج اس کا (نعوذُ باللہ) یہ انجام نہ ہوتا۔ سیّدہ نے غضبناک لہجہ میں جواب دیا۔ ارے بے غیرت تجھے پتہ نہیں حسین کون ہے۔ یہ نواسۂ رسول ہے۔ جگر گوشۂ بتول ہے۔ اور حسین مرا نہیں زندہ ہے۔ حسین اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے گیا۔ راہِ خدا میں مرنے والے کو فنا نہیں بقا ہے۔ اس کے بعد ابنِ زیاد کی نظر بیمار عابد پر پڑی وہ انہیں بھی قتل کرنا چاہتا تھا کہ حضرت زینب بے قرار ہو کر پکار اٹھیں۔ ارے ظالم اگر تو نے زین العابدین کو قتل کرنا ہے تو مجھے بھی قتل کر۔ ابنِ زیاد دیر تک سر جھکائے سوچتا رہا۔ اس واقعہ کے بعد ابنِ زیاد نے کوفہ کی جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے کہنے لگا۔ خدا کا شکر ہے۔ جس نے یزید کو غالب کیا اور کذاب حسین کو ہلاک کر ڈالا۔

اس اجتماع میں حضرت ابن عفیف محبِّ اہل بیت بھی موجود تھے ان سے یہ الفاظ سُنے نہ گئے۔ فوراً کھڑے ہو گئے اور ابنِ زیاد کو للکارتے ہوئے کہا۔ خدا کی قسم تو ہی کذاب ہے تیرا باپ کذاب ہے۔ حسین سچا ہے اس کا باپ سچا ہے۔ اس کے نانا سچے ہیں۔ ابنِ زیاد اس جواب سے غصّے میں بھڑک اٹھا۔

اوہدیاں بین ڈھیاں قیدی نال میرے
جیہدے نام دیاں بانگاں اج ملدیاں نیں

اب ہر قاتلِ حسین کی یہ تمنا ہے کہ یزید کے سامنے واقعاتِ کربلا میں سناؤں ہر کوئی بے قرار ہے چنانچہ سب سے پہلے زحر بن قیس نے یزید کو فتح کی خبر سنائی کہ حسین ابن علی اپنے اٹھارہ اہلبیت اور رفقاء و احباب کے ساتھ میدانِ کربلا میں پہنچے ہم نے انہیں شکست دے دی اور قتل کر دیا اور اس وقت ان کے لاشے کربلا کے تپتے ہوئے ریگستان میں برہنہ پڑے ہوتے ہیں۔ ان کے لباس خون میں تر ہیں۔ ان کے چہرے گرد و غبار سے آلودہ ہیں۔ پہلے تو فتح کی خوشخبری سُن کر یزید جھوم اٹھا۔ مگر جب اس کا ہولناک انجام اس کی نظروں کے سامنے آیا۔ تو کانپ گیا۔ بار بار چھاتی پر ہاتھ مارتا۔ کہ ہائے افسوس اس واقعہ نے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں میری نفرت اور دشمنی پیدا کر دی۔

ہائے میں قتلِ حسین سے ہمیشہ کے لئے بدنام ہو گیا ہوں۔ اس کے بعد یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا اور اہلِ بیت کو بھی دعوت دی۔ یزید امام زین العابدین سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اے ابنِ حسین اگر تیرا باپ میری بیعت کر لیتا تو مرتا نہ۔ فرمایا۔ ظالم میرا باپ مرا نہیں زندہ ہے اور جو خدا تعالیٰ کے نام پر جان کا نذرانہ دے اسے فنا نہیں بقا ہے۔ اور بدبخت تیرا نام مٹ جائے گا۔ میرے باپ کا نام قیامت تک زندہ رہے گا کیونکہ میرے باپ نے شریعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ناموسِ اسلام کے تحفظ کے لئے کنبہ قربان کیا ہے۔ تو جب تک یہ دینِ اسلام رہے گا۔ میرے باپ کا نام دنیائے ہستی میں چمکتا رہے گا۔

کیونکہ!

اور جلاد کو حکم دیا کہ اس بڈھے کا سر بھی قلم کر دو۔ چنانچہ ایک بار پھر ظالم ابنِ زیاد کی تلوار اٹھی۔ اور محبِ آلِ رسول پر گری۔ خون بہا لاش تڑپی اور غلامیٔ حسین میں جان دے دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط

دوسرے دن کاروانِ اہلِ بیت ابنِ سعد کی سرکردگی میں دمشق روانہ ہوا۔ حضرت حسین ابن علی کا سرِ انور نیزے کی نوک پر سب سے آگے رہے، ایسے معلوم ہوتا تھا کہ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اب بھی اپنے قافلہ کی سپہ سالاری کر رہے ہیں اور جس آبادی سے بھی یہ قافلہ گزرتا کہرام بپا ہو جاتا۔ آخر قافلہ دمشق میں پہنچا۔

قافلہ اہلبیت دمشق میں!

تمام یزیدی فتح و نصرت کی خوشیاں منا رہے تھے اور،

قیدی قافلہ کربلا والیاں دا
ویلا شام دا سی جد شام آیا
وَجّے تبل یزید دی فوج اندر
ویکھن واسطے ہر خاص و عام آیا
ملی شام دی بانگ جد شام اندر
آدھ طرف نماز پیغام آیا!
رناں نال حسین دا مار چیکاں
جدوں پاک محمد دا نام آیا!
کسے پچھیا قیدیا کیوں رووین
عابد آکھیا اینہہ گلاں دل دیاں نیں

توحید کی ایک برقِ جو تابندہ ہیں حسین
الحاد کے برباد کنندہ ہیں حسین
ہے ظالم و مظلوم کے انجام میں فرق
مردہ ہے یزید تو زندہ ہیں حسین

اور پھر

تیرے تن پرست یزید اُدھر
تیرے مَن پرست شہید اِدھر
وہ جیتے ہوئے بھی مرے ہوئے
یہ مرے ہوئے بھی جیتے ہوئے

یزید دیر تک خاموش رہا۔ پھر سرداروں سے متوجّہ ہو کر کہنے لگا۔ اہلبیت کے ان اسیروں کے بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے۔ ان نام نہاد مسلمانوں میں ایک پکّے اور سچے عاشقِ رسُول اور محبِ اہلبیت حضرت نعمان بن بشیر بھی موجود تھے وہ کہنے لگے کہ ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیئے۔ جو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کیا کرتے تھے۔ یزید نے حکم دیا کہ قیدیوں کی رسیاں کھول دی جائیں اور شیدائیوں کو شاہی محل میں پہنچا دیا جائے۔ یہ سُن کر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا رو پڑیں۔ فرمایا ظالم تو پہلے رسول زادیوں کو گلی گلی پھرا کر اب ہمارا تماشہ دیکھنا چاہتا ہے۔ خبردار ہمیں اس محل کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو ہمارے لئے ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی ہی کافی ہے۔ بالآخر یزید نے اہلبیت کی خواتین کے لئے ایک علیحدہ مکان کا انتظام کیا۔ حضرت زینب کی خواہش پر سرِ حسین آپ کے حوالے کر دیا گیا۔ زینب سرِ اقدس کو سامنے رکھتیں۔ تو گزرے ہوئے دنوں کی یاد میں

تازہ ہو جاتیں۔ اور گڑ گڑا کر رونے لگتیں۔ اس کے بعد دوسرے ہی دن اہلبیت کا یہ دلگداز قافلہ نعمان بن بشیر کی سرکردگی میں مدینے کی طرف روانہ ہو گیا۔

قافلہ واپس مدینے میں!

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت رقیق القلب اور ایک سچے محب اہلبیت تھے۔ جونہی قافلہ دمشق کی آبادی سے باہر نکلا تو حضرت نعمان امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست بستہ عرض کیا قبلہ یہ نیاز مند حکم کا غلام ہے۔ جہاں دل چاہے تشریف لے جایئے۔ جہاں حکم دو گے ٹھہر جاؤں گا۔ جب کہو گے چل پڑوں گا۔ قافلہ مدینے کی طرف بڑھتا رہا کئی دنوں کے بعد اب حجاز کی سرحد شروع ہو گئی۔ مدینے کی مسافت گھٹتے گھٹتے اب چند منزلیں رہ گئی تھی۔ نعمان بن بشیر آگے آگے چل رہے تھے ان کے پیچھے اہلبیت کی سواریاں تھیں۔ آخر دوپہر کے بعد مدینے کی سرحد شروع ہو گئی۔ جیسے جیسے مدینہ قریب آتا جا رہا ہے۔ جلبے بڑھتے جا رہے ہیں کچھ دیر چلنے کے بعد پہاڑیاں نظر آنے لگیں۔ کھجوروں کی قطاروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جونہی مدینے کی آبادی ظاہر ہوئی دیکھ کر دل کے زخم اور زیادہ اُبھر گئے۔ ایک اونٹنی سوار نے جلدی سے جا کر سارے مدینے میں یہ خبر پہنچا دی کہ کربلا سے خاندانِ نبوت کا لٹا ہوا قافلہ آ رہا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی ہر طرف کہرام مچ گیا۔ قیامتِ صغریٰ برپا ہو گئی۔ جب حضرت صغریٰ بی بی کو پتہ چلا کہ قافلے والے آ رہے ہیں تو جلدی سے اندر جا کر مکان کو جھاڑو دے کر خوب صاف کرتی ہے۔ اپنے بھائی اکبر کے لئے پلنگ بچھاتی ہے اور اپنے چھوٹے ویرا صغر

کا جھولا صاف کرتی ہے۔ اپنے باپ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مسند سجاتی ہے۔ یہ سب تیاریاں مکمل کر کے صغریٰ جب قافلے کی طرف جاتی ہے تو عجیب منظر دیکھتی ہے کہ قافلے میں اکبر نہیں ہے۔ اصغر نہیں ہے۔ میرے باپ حسین نہیں ہیں۔ جلدی سے اپنی ماں شہر بانو اور پھوپھی زینب سے لپٹ گئی۔ میرے ابا جان کہاں ہیں۔ ننھے علی اصغر کو کہاں چھوڑ آئے۔ ابا جان تو وعدہ کر گئے تھے کہ میں اکبر کو بھیجوں گا۔ لیکن نہ اکبر آیا نہ ہی کوئی خبر ملی۔ اس کے بعد قافلہ روضۂ رسول پر حاضر ہوا اور سب سے پہلے درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا۔ کہ

یا رسول اللہ تیرے در کی فضاؤں کو سلام
گنبدِ خضریٰ کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں کو سلام
مست و بے خود وجد میں آئی دعاؤں کو سلام
یا رسول اللہ تیرے در کی فضاؤں کو سلام
جو مدینے کے گلی کوچوں میں دیتے ہیں صدا
تا قیامت اُن گداؤں اور فقیروں کو سلام
یا رسول اللہ تیرے در کی فضاؤں کو سلام

اس کے بعد حضرت سیدہ نانا جان کے روضۂ اقدس سے لپٹ کر عرض کرنے لگیں۔ اے نانا جان آپ کا نواسہ آپ کے دین کی عظمت کی خاطر شہید ہو گیا۔ آپ نے جو شہادت کی بشارت دی تھی وہ پوری ہو گئی۔

حضراتِ محترم!

یاد رہے کہ صابر بھی انتقال کر جائے گا اور ظالم بھی مر جائے گا۔ مگر موت موت میں فرق ہے۔ اگر ظالم ظلم کرتا ہوا مر گیا۔ تو اس کا حشر ظالموں

کے ظالم یزید کے ساتھ ہوگا۔ اگر صابر صبر کرتا ہوا فوت ہوگیا تو قیامت کے دن انشاءاللہ اس کا حشر صابروں کے ساتھ۔ آقا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے کے سائے تلے ہوگا۔ کیونکہ

توحید کی ایک برق جوئیندہ ہیں حسین
الحاد کے برباد کنندہ ہیں حسین!
ہے ظالم و مظلوم کے انجام میں فرق
مُردہ ہے یزید تو زندہ ہیں حسین

حضراتِ گرامی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا سارا کنبہ قربان کرکے اور خود بھی نیزے کی نوک پر چڑھ کر اور لوگوں کو قرآن سُنا کر یہ سبق دے گئے۔

کہ:-

چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

فلسفۂ شہادت:-

آئیے توجہ فرمائیں کہ فلسفۂ شہادت کیا ہے۔

امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نیزوں، تیروں اور تلواروں کی بارش میں نماز کا آخری سجدہ ادا کرکے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو یہ درس دے دیا۔ کہ اے میرے نانا کا کلمہ پڑھنے والے اُمتیو۔ اس نماز کو معمولی نہ سمجھنا۔ میں نے اسی نماز کی خاطر گھر لٹایا بچے قربان کئے اور خود بھی

سر تو دے دیا۔ مگر نماز کو قضا نہ ہونے دیا۔ لہٰذا تم بھی نماز کو قضا نہ کرنا
آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اہلبیت اطہار سے محبت و عقیدت رکھنے
اور فلسفہ شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے

آمین برحمتك یا ارحم الرحمین
وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

(روضۃ الشہداء۔ سوانح کربلا۔ اوراقِ غم شہید ابنِ شہید
شانِ حسین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذکر الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ عَالِمًا قَدِیْرًا حَیًّا قَیُّوْمًا سَمِیْعًا بَصِیْرًا۔ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الَّذِیْٓ اَرْسَلَهٗ اِلَی النَّاسِ كَآفَّةً بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَعَلٰٓی اٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا كَثِیْرًا

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۝ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ

حضراتِ محترم!

میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید فرقانِ حمید کی ایک آیۂ کریمہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے چنانچہ خالقِ کائنات نے ارشاد فرمایا۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۔ پ۲	تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور ناشکرے نہ ہو جاؤ۔

حضراتِ گرامی!

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ تم مجھے توبہ و استغفار سے یاد کرو میں تمہیں بخشش کے ساتھ یاد کروں گا اور میرا شکریہ ادا کرو اور ناشکرے نہ ہو جاؤ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ میری بے شمار نعمتیں استعمال کرنے کے بعد میرا شکریہ ادا کرو۔ میری بارگاہ میں سربسجود ہو جاؤ اور ناشکرے نہ ہو جاؤ اور خالقِ کائنات نے انسان کو اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ اگر شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کر سکتا۔

اَن گنت نعمتیں!

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (پ۱۴)	اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے

اور پھر یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کے لئے پیدا کی ہیں۔
اور خالق کائنات نے ارشاد فرمایا۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ (پ ۲۷)	تو اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

میرے بزرگو اور دوستو!

اللہ تعالیٰ نے ہم پر بے شمار احسانات فرمائے ہیں اور ہمیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا۔ مثلاً دیکھنے کے لئے آنکھیں دیں سننے کے لئے کان دیئے بولنے کے لئے زبان دی۔ سونگھنے کے لئے ناک دی۔ پکڑنے کے لئے ہاتھ دیئے چلنے کے لئے پاؤں دیئے۔ ہم اس کی کسی نعمت کو بھی نہیں جھٹلا سکتے اور آنکھوں کی قدر اس سے پوچھو جو اس نعمت سے محروم ہے۔ پاؤں کی قدر اس سے پوچھو جس کے پاس چلنے کے لئے پاؤں نہیں ہیں۔ کانوں کی قدر اس سے پوچھو جو بہرا ہے زبان کی قدر اس سے پوچھو جو گونگا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری غذا کے لئے پھل اور سبزیاں پیدا کیں اور ہماری خدمت کے لئے چوپائے پیدا کئے۔ روشنی کے لئے سورج، چاند، ستارے پیدا کئے۔ بلکہ سارا جہان انسان کے لئے بنایا گیا۔ باوجودیکہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنے اور اس کے ذکر سے منہ موڑے۔ تو یہ ایک عقلمند اور سمجھدار انسان کے لئے کتنی بڑی ناانصافی ہے اور ایسے غافل کے لئے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعید آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ (پ ۱۶)	تو جو بھی میرے ذکر سے منہ موڑے گا۔ پس بے شک میں اس کی زندگی تنگ کر دوں گا۔

پھر وہ پریشانیوں میں اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس کی زندگی کا تمام سکون ختم ہو جائے گا۔

حضرات محترم!

کبھی ہم نے یہ سوچا کہ ہماری پریشانی اور بے سکونی کی وجہ کیا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ جس کے پاس بہت بڑا محل بنگلہ یا کوٹھی ہے وہ کامیاب ہے وہ سکون میں ہے یا پھر جس کے پاس دنیا کا مال و منال سونا و چاندی اور درہم و دینار ہے وہ اطمینان میں ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ آپ ان میں سے کسی بھی مالدار کے پاس چلے جائیں وہ روتا ہی نظر آئے گا۔ سکون کسی کو بھی میسّر نہیں۔ وجہ کیا ہے کہ ہم یادِ الٰہی سے غافل ہو گئے۔ ہم نے ذکرِ الٰہی کو بھلا دیا۔ ہر وقت دنیا کا ذکر۔ مگر مالکِ دنیا کو بھلا بیٹھے۔ آیئے توجہ فرمائیں اور غور کریں کہ سکون و اطمینان کس چیز میں ہے۔

اطمینانِ قلب!

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (پ ۱۳)	خبردار! دلوں کا سکون ذکرِ الٰہی میں ہے۔

کسی شاعر نے کہا کہ۔

ے کجھ کر لے وقت وہانداای!
بن بہت تھوڑا دن رہنداای!
تیندوں ٹکڑا توڑا گ لیندا ای
پڑھو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

معزز سامعین !

اگر ہم چاہتے ہیں۔ کہ ہمارا پروردگار ہم پر راضی ہو جائے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے پیارے بن جائیں۔ اپنے نبی کے پکے اور سچے غلام بن جائیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں زندگی میں اطمینانِ قلب اور سکون جاں میسر ہو جائے۔ تو آیئے پھر ذکرِ الٰہی سے دل لگائیں۔ جب ہم اپنے رب کو یاد کریں گے وہ بھی ہمیں یاد کرے گا۔

جب ہم اُسے نہ بھولیں گے۔ وہ بھی ہمیں نہ بھولے گا۔ بلکہ ہم بھولے ہوؤں پر بھی وہ اپنا فضل فرماتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ:۔

؎ اک گناہ میرا ماں پیو ویکھے !
تے دیوے دیس نکالا !
لکھ گناہ میرا مولا ویکھے
تے پردے پاون والا !

اب ذکرِ الٰہی کے متعلق چند احادیث سنیئے !

احادیث ذکرِ الٰہی !

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ وَاَنَا مَعَہٗ	کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اور جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی

اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔

وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٌ مِّنْھُمْ۔

(مشکوٰۃ شریف ص۱۹۶)

اور جب وہ مجھے کسی محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر محفل میں اسے یاد کرتا ہوں اور وہ محفل فرشتوں کی ہے۔

معزز سامعین!

آج ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کو اگر شہر کا حاکم یاد کرے تو وہ بڑا خوش ہوتا ہے۔ کہ مجھے شہر کے حاکم نے یاد کیا ہے۔ اگر کسی کو ایک صوبے کا حاکم یاد کرے تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔ اگر کسی کو ایک ملک کا حاکم یاد کرے تو اس کے پاؤں ہی زمین پر نہیں لگتے۔ کہ مجھے وقت کے حاکم نے یاد کیا ہے۔ لیکن اے انسان ذرا غور کر جب تو ذکر الٰہی کرے گا۔ تو تجھے احکم الحاکمین سب حاکموں کا حاکم یاد کرے گا اور اس کی رحمت خود بخود تیری طرف بڑھتی آئے گی۔ یہ دنیا کے حاکم تیرے آگے ہیچ ہو جائیں گے۔

نقطۂ قلب!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بھی کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے۔ تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ آجاتا ہے۔

فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُہٗ۔

پس اگر وہ توبہ و استغفار کر لیتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ مٹ جاتا ہے۔

وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰی تَعْلُوَا قَلْبَہٗ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۴)	اور اگر وہ گناہ زیادہ کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ بھی زیادہ ہوجاتا ہے حتیٰ کہ اس کے دل کو ڈھانپ لیتا ہے۔

صفائیٔ قلب:

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر شئی کو صاف کرنے والی کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے۔

وَصِقَالَۃُ الْقَلْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۹)	اور دل کو صاف کرنے والی چیز ذکر الٰہی ہے۔

حضراتِ گرامی!

جس طرح لوہے کو زنگ لگ جائے تو اسے تیل سے صاف کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب انسان کا دل گناہوں کی وجہ زنگ آلود ہو جائے تو ذکرِ الٰہی کرنے سے بندے کا دل صاف و شفاف ہوجاتا ہے اور اس کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے خالقِ کائنات نے ارشاد فرمایا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۙ وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا (پ ۲۲)	اے ایمان والو اللہ کا ذکر زیادہ سے زیادہ کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو

ذکر کی قسمیں!

ذکر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ذکر فی الضرورت۔

(۲) ذکر فی العادت۔

(۳) ذکر فی المحبّت۔

۱:۔ ذکر فی الضرورت وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کے حصول کے لئے کیا جائے یعنی یا اللہ مجھے کاروبار دے مجھے اولاد دے۔ یا مجھے امتحان میں کامیابی عطا فرما دے۔

۲:۔ ذکر فی العادت وہ ہوتا ہے جو عادت کے طور پہ ہو۔ جیسے فرشتے اپنی اپنی ڈیوٹیاں بھی سرانجام دے رہے ہیں اور ساتھ ساتھ ذکر الٰہی بھی کر رہے ہیں۔

۳:۔ ذکر فی المحبّت وہ ہے جو کسی بھی لالچ و طمع کے بغیر ہو۔ وہ نہ تو دوزخ کے ڈر سے ہو نہ جنّت کے حصول کے لئے بلکہ صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لئے کیا جائے اور جو لوگ محبّت کے ساتھ ذکرِ الٰہی کرتے ہیں۔ ساری ساری رات مصلّے پہ یادِ الٰہی میں گزار دیتے ہیں پھر انہیں لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔	اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے لئے سجدے اور قیام میں۔
(پ ۱۹)	

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۹۷)	کہ میرا بندہ نفلی عبادت سے میرا قرب حاصل کر لیتا ہے

حضرات!

اگر ہم غور کریں تو اسلام کی روح سے ہمارے ہر فعل کا آغاز ذکرِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ مثلاً جب کھانا کھاؤ تو بِسْمِ اللّٰہ ——— کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو پڑھو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ——— کسی کام کا ارادہ کرو تو کہو اِنْشَاءَ اللّٰہ ——— کوئی اچھی چیز دیکھو تو کہو مَا شَاءَ اللّٰہ ——— دل میں کوئی بُرا خیال آجائے تو کہو لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ ——— کوئی غمزدہ خبر سنو تو کہو اِنَّا لِلّٰہ ——— کوئی آپ سے نیکی کرے تو کہو جَزَاکَ اللّٰہ ——— قرآن مجید سنو تو کہو سُبْحَانَ اللّٰہ

ے اللہ دیاں ضرباں لائی جا

جیویں تن دا رب نوں منائی جا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایک دفعہ سبحان اللہ کہا۔

غُرِسَتْ لَهُ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۰۱)	اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے۔

حضرات محترم!

آپ نے دیکھا کہ ذکرِ الٰہی کی کتنی فضیلت ہے۔ اسی لئے میرے اور آپ کے

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری ساری رات ذکرِ الٰہی میں گزار دیتے۔ حتیٰ کہ آپ کی پنڈلیاں اور پاؤں سُوج جاتے۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنا لمبا قیام فرمایا کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے۔ آپ سے عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اتنا لمبا قیام کیوں فرماتے ہیں۔ آپ تو بخشے ہوئے ہیں۔

قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۰۹)	فرمایا کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر نہ ادا کروں۔

معززسامعین!

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجودیکہ گناہوں سے معصوم بلکہ معصوموں کے سردار ہیں۔ پھر بھی ساری رات ذکرِ الٰہی میں گزار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ربِّ کائنات نے ارشاد فرمایا

يَآ اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا۔ (پ۲۹)	اے کملی اوڑھنے والے آدھی رات یا اس سے کم آرام فرمایا کریں۔

لیکن ہم ہیں کہ شب و روز غفلت میں گزر رہے ہیں۔ مگر کوئی فکر نہیں اگر کوئی ہمیں نماز یا تلاوتِ قرآن مجید کے لئے کہے تو ہم کہتے ہیں کیا کریں کہ شیطان مردود پیچھے لگا ہوا ہے۔ جو نماز نہیں پڑھنے دیتا۔ حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے۔ اس لئے کہ جب انسان پختہ ارادہ کر لے تو شیطان کچھ نہیں کر سکتا بلکہ یادِ الٰہی

کرنیوالے سے شیطان دور بھاگ جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

اَلشَّیْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ۔	شیطان انسان کے دل پہ چمٹا رہتا ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ تو شیطان ہٹ جاتا ہے۔
وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ (مشکوٰۃ شریف صہ ۱۹۹)	اور جب انسان غافل ہوتا ہے تو وہ وسوسے ڈالتا ہے۔

حضرات محترم!

یہ بات غلط ہے کہ ذکر الٰہی کے لئے شیطان رکاوٹ بنتا ہے۔ بلکہ انسان خود ہی ناشکرا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرِ (پ ۲۲)	میرے بندوں میں سے کم ہیں جو میرا شکر ادا کرتے ہیں۔

مگر جو اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب اور اس کے پیارے ہیں وہ ہر حال میں اپنے مالک حقیقی کو یاد کرتے ہیں۔

عبادتِ ایوب علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی حضرت ایوب علیہ السلام بہت بڑے مالدار تھے۔ شیطان نے حسد کیا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے دنیا و آخرت دونوں کو حاصل کر لیا شیطان نے سوچا کہ کسی طرح یہ دونوں چیزیں یا ان میں سے ایک ان سے چھن جائے اور اس وقت شیطان آسمان کی طرف چڑھا کرتا تھا اور جہاں چاہتا ٹھہر جاتا۔ اپنے

معمول کے مطابق شیطان آسمان کی طرف گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابلیس بتا میرے بندے حضرت ایوب علیہ السلام کیسے ہیں۔ شیطان کہنے لگا۔ کہ ایوب علیہ السلام صرف اس لیے تیری عبادت کرتے ہیں کہ تو نے ان کو مالدار بنایا ہے۔ اگر ان کے پاس مال نہ ہوتا تو وہ کبھی تیرا ذکر نہ کرتے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اے لعین تو جھوٹ بولتا ہے۔ میں اپنے بندے ایوب علیہ السلام کو جانتا ہوں۔ کہ اگر میں اسے یہ آرام و راحت نہ بھی عطا کرتا۔ پھر بھی وہ میرا ذکر ضرور کرتا۔ میرا شکر بجا لاتا۔ شیطان کہنے لگا۔ یا اللہ تو مجھے ایوب علیہ السلام پر طاقت دے۔ پھر دیکھ کہ میں کیسے تیرے بندے کو تیرے ذکر سے بھلاتا ہوں اور روکتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے شیطان کو حضرت ایوب علیہ السلام کی روح کے سوا ہر چیز پر مسلط کر دیا۔ اس کے بعد ابلیس واپس آیا اور دریا کے کنارے کھڑا ہو کر ایسی چیخ ماری کہ تمام جن اور اس کے چیلے جمع ہو گئے۔ سب کہنے لگے استاد جی خیر تو ہے کہ آج اتنی چیخ و پکار کر رہے ہو شیطان کہنے لگا۔ دیکھو میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو ورغلا پھسلا کر جنت سے نکلوایا اب ایوب علیہ السلام کو بارگاہِ الٰہی سے دور کرنا ہے۔ لہٰذا ایوب علیہ السلام کا تمام مال و منال تباہ و برباد کر دو۔ یہ کہہ کر شیطان لعین حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا تو حضرت ایوب علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔ قریب جا کر کہنے لگا اے ایوب تو نماز پڑھ رہا ہے۔ ذرا گھر جا کر تو دیکھ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے آگ نازل کی ہے۔ جس سے تیرا سارا مال راکھ ہو چکا ہے حضرت ایوب علیہ السلام نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ حتیٰ کہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعْطَانِیْ ثُمَّ اَخَذَ مِنِّیْ۔	سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جس نے مجھے مال عطا کیا۔ پھر مجھ سے لے لیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام یہ کہہ کر پھر نماز میں مشغول ہو گئے اور شیطان
ناامید اور ذلیل ہو کر واپس چلا گیا۔ ادھر حضرت ایوب علیہ السلام کے چودہ بچے
تھے۔ جن میں آٹھ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں اور یہ سب مل کر ہر روز اپنے
میں سے کسی نہ کسی بھائی کے گھر ایک دسترخوان پر کھانا کھایا کرتے تھے۔ اس دن
وہ سب اپنے بڑے بھائی تُرمُل کے مکان میں موجود تھے۔ چنانچہ تمام شیطان
اس مکان پر جمع ہو گئے۔ اور وہ مکان ایوب علیہ السلام کی اولاد پر گرا دیا۔
جس سے وہ سب کے سب ایک ہی دسترخوان پر انتقال کر گئے۔ ان میں بعض وہ
تھے۔ کہ جن کے منہ میں ابھی لقمہ تھا اور بعضوں کے ہاتھ میں پیالہ تھا۔ شیطان پھر
حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس گیا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ آپ اسی طرح نماز پڑھ
رہے ہیں۔ کہنے لگا اے ایوب تو یہاں اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھ رہا ہے۔ گھر میں جا
کر دیکھ اللہ تعالیٰ نے تیری اولاد پر مکان گرا دیا ہے اور وہ سب مر چکے ہیں
حضرت ایوب علیہ السلام پھر خاموش ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ
نے وہی جملہ ادا فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعْطَانِیْ ثُمَّ اَخَذَ مِنِّیْ۔	سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے مال عطا کیا پھر مجھ سے لے لیا۔

آپ نے فرمایا کہ مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں مجھ
سے لے لیں ہیں اس پر بہت راضی ہوں۔ تاکہ ہر چیز سے فارغ ہو کر اب اپنے
مالک کو یاد کر سکوں گا۔ شیطان پھر ذلیل و خوار ہو کر واپس لوٹ گیا۔ پھر دوبارہ
آیا اور حضرت ایوب علیہ السلام اسی طرح نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے
سجدہ کیا تو شیطان نے سجدہ میں آپ کے ناک اور منہ میں ایسی پھونک ماری جس

سے آپ کا تمام بدن پھول گیا۔ پہلے تو زبردست پسینہ آیا۔ پھر جسم بھاری ہوگیا۔ یہ دیکھ کر آپ کی زوجہ حضرت رحمت رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی اے میرے آقا یہ ساری تکلیف آپ کو مال اور اولاد کے غم اور ساری ساری رات ذکرِ الٰہی میں گزارنے کی وجہ سے ہے۔ تھوڑی دیر آرام فرما لیا کریں۔ تاکہ آپ کی طبیعت درست ہو جائے۔ مگر وہ اصل بات نہیں جانتی تھی۔ کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش ہے۔ اس کے بعد آپ کے جسم پر چیچک نکل آئی اور سر سے لے کر پاؤں تک سارے جسم پر پھیل گئی اور بدن سے پیپ بہنے لگی اور کیڑے پڑ گئے۔ مگر ذکرِ الٰہی اب بھی جاری ہے۔ جب آپ کا سارا بدن کھوکھلا ہو گیا تو جسم مبارک میں صرف دو کیڑے رہ گئے۔ ان میں سے ایک دل اور دوسرا زبان کی طرف مائل ہوا۔ جب انہوں نے دل اور زبان کو کاٹا تو اس وقت حضرت ایوب علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی۔

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ (پ ۱۷)	بے شک مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

آپ نے یہ کوئی شکوہ و شکایت کے طور پر نہیں کہا۔ بلکہ صرف اس لئے کہ مولا میں تیری ہر بلا ہر مصیبت پر صبر کروں گا۔ جب تک میرا دل تیری محبت میں ہوگا اور میری زبان تیرے ذکر میں جاری رہے گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا	بے شک ہم نے ایوب علیہ السلام کو صابر پایا۔

کیونکہ آپ نے مال اور اولاد کے لئے جزع و فزع نہیں کی تھی۔ بلکہ آپ

نے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی تھی کہ یا اللہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری زبان تیرے ذکر سے رُک جائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ کہ اے ایوب تجھ سے پہلے ستر انبیاء علیہم السلام نے مجھ سے اس آزمائش کو طلب کیا۔ مگر میں نے تیری عظمت و بزرگی کی خاطر اسے تیرے لئے پسند کیا۔ اس میں بظاہر تو تیرے لیے بلا ہے۔ مگر حقیقت میں تجھ پر میری رحمت اور دوستی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کیڑوں کو گرا دیا۔ ایک پانی میں گرا جو جونک بن گیا۔ جس سے ہر طرح کی بیماریوں کو آرام آتا ہے۔ دوسرا زمین پر گرا اس سے شہد کی مکھی بن گئی۔ جس میں شفاء رکھ دی گئی۔

بعدازیں حضرت جبرائیل علیہ السلام بہشت سے دو انار لے کر آئے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا اے جبرائیل کیا میرے رب نے مجھے یاد کیا ہے۔ جبرائیل نے عرض کی ہاں آپ کو اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ دونوں انار کھا لیجئے اور ان کے کھانے سے آپ کا جسم بالکل ٹھیک اور تندرست ہو جائے گا۔ جب آپ نے وہ دونوں انار کھا لیئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ اٹھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور کہا۔ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگائیے۔ پس حضرت ایوب علیہ السلام نے پہلے اپنا بایاں پاؤں مارا تو پانی بہنے لگا۔ اس سے آپ نے غسل کیا اور دایاں پاؤں مارا تو ایک ٹھنڈا چشمہ نکل آیا۔ اور اس سے پانی پیا چنانچہ اس پانی کے پینے سے آپ کی تمام ظاہری اور باطنی بیماریاں دور ہو گیئں اور فوراً آپ کا جسم مبارک پہلے سے بھی اچھا ہو گیا اور چہرہ مبارک چاند سے بھی زیادہ روشن ہو گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَکَشَفْنَا مَا بِہٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰہُ اَھْلَہٗ وَ مِثْلَھُمْ مَّعَھُمْ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِکْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ (پ ۱۷)

پس ہم نے ایوب کی دُعا کو قبول کیا۔ پس ہم نے کھولا اس ایذا کو جو ان کے ساتھ تھی اور ہم نے اس کو اس کی اولاد دی۔ اور اسی کی مثل اپنی رحمت سے اور نصیحت ہے عبادت کرنے والوں کے لیے۔

(روح البیان پ ۲۳۔ درۃ الناصحین ص ۱۵ ج ۲)

میرے بزرگو اور دوستو!

یہ ہے اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کا تقویٰ کہ ان پر چاہے لاکھ بلائیں اور مصیبتیں جائیں۔ مگر وہ ذکرِالٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔ ان کی خواہش اور تمنا یہ ہوتی ہے کوئی سانس بھی ایسا نہ گزرے جس میں اللہ تعالیٰ کی یاد نہ ہو۔

عبادت الیاس علیہ السلام

روایت میں آتا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام تشریف فرما تھے اور ذکرِالٰہی کر رہے تھے۔ کہ آپ کے پاس حضرت عزرائیل علیہ السلام آئے۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے پوچھا کیوں آئے ہو۔ فرشتے نے عرض کی آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں جب آپ نے سُنا تو رو پڑے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کی۔ اے اللہ کے نبی کیا آپ دنیا کے لیے گھبرائے ہیں یا موت کے ڈر سے فرمایا نہ دنیا کی وجہ سے نہ موت کے ڈر سے۔

بَلْ اِنَّمَا اَجْزَعُ عَلٰی فَوْتِ ذِکْرِ اللّٰہِ | بلکہ صرف ذکرِ الٰہی کے چھوٹ جانے پر روتا ہوں ۔

اور اس لئے بھی کہ لوگ میرے پیچھے کھڑے ہو کر ذکرِ خدا کریں گے مگر میں خاموش ہوں گا ۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی ۔ کہ حضرت الیاس کی روح قبض نہ کرے ۔ کیونکہ وہ اپنے لئے زندگی نہیں چاہتا ۔ بلکہ میرے ذکر کے لئے جینا چاہتا ہے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے ذکرِ الٰہی کی برکت سے حضرت الیاس علیہ السلام کو قیامت تک زندگی بخش دی (درۃ الناصحین ص۲۵ ج۲)

حضرات گرامی !

معلوم ہوا کہ ذکرِ الٰہی سے زندگی میں برکت آ جاتی ہے اور ذکرِ الٰہی کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال رہتی ہے ۔

جو میرا ہو جائے !

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چراتے چراتے ایسے جنگل میں پہنچے جہاں بھیڑیئے بہت زیادہ تھے اور آپ پر تھکاوٹ کی وجہ سے نیند کا غلبہ تھا اور سوچتے ہیں کہ اگر بکریوں کی نگہبانی کرتا ہوں تو بھیڑیئے بکریوں کو نہیں چھوڑیں گے ۔ اس خیال میں آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور ایک دعا پڑھ کر سو گئے جب نیند سے بیدار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بھیڑیا اپنے کندھے پر ان کا عصا رکھے ہوئے بکریوں کی نگہبانی کر رہا ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تو حیران ہو گئے ۔ عرض کی یا اللہ یہ کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تم میرے لئے ایسے ہو جاؤ ۔ جیسا میں چاہتا ہوں ۔ پھر میں تمہارے لئے ویسا ہی بن جاؤں گا ۔ جیسے تم چاہو گے ۔ (نزہۃ المجالس ص۱۹۳ ج ۱)

ذاکرین پر انعامِ خدا!

زہر الریاض میں ہے کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے۔ تو فرشتے ان کے سامنے طرح طرح کی نعمتیں پیش کر دیں گے۔ ان کے لئے فرش بچھائیں گے۔ منبر رکھے جائیں گے اور انہیں مختلف قسم کے کھانے اور پھل پیش کئے جائیں گے۔ تو جنتی بڑی حیرانی کے عالم میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندو حیران کیوں ہو۔ یہ بہشت حیرت کی جگہ نہیں ہے۔ اس وقت ایمان والے عرض کریں گے یا مولیٰ تو نے ایک وعدہ کیا تھا۔ جس کا وقت آ گیا ہے۔ تب فرشتوں کو حکم ہوگا۔ کہ ان کے چہروں سے پردے اٹھا لو یہ میرا دیدار کریں گے۔ فرشتے عرض کریں گے یا اللہ یہ تیرا دیدار کیسے کریں گے۔ حالانکہ یہ تو گنہگار تھے۔ تو اس وقت فرمانِ الٰہی ہوگا۔ اے فرشتو تم حجاب دور کر دو۔ یہ ذکرِ الٰہی کرنے والے ہیں تو پردے اٹھا دیئے جائیں گے۔ تو جنتی فوراً اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے ہی سجدہ میں گر جائیں گے۔ فرمانِ الٰہی ہوگا۔ سر اٹھا لو یہ جنت دارِ عمل نہیں ہے۔ دار جزا ہے اور وہ اپنے رب کو بے کیف دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ عِبَادِيْ فَقَدْ رَضِيْتُ عَنْكُمْ فَهَلْ رَضِيْتُمْ عَنِّيْ	میرے بندو تم پر سلامتی ہو میں تم سے راضی ہوں کیا تم مجھ سے راضی ہو۔

جنتی عرض کریں گے۔ اے ہمارے رب ہم کیسے راضی نہیں ہوں گے حالانکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں دی ہیں۔ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا۔ نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں ان کا تصور گزرا اور یہی اس فرمانِ الٰہی کا مقصد ہے۔

کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

(مکاشفۃ القلوب ص۴۹)

حضرات گرامی!

اب دیکھنا یہ ہے کہ ذکروں میں سے افضل ذکر کون سا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

(مشکوٰۃ شریف ص۲۰۱)

افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ اور افضل دعا الحمد للہ ہے۔

ذکر بعد از نماز!

حضرات!

معلوم ہوا کہ ذکروں میں افضل ذکر کلمہ شریف ہے۔ اسی لیے ہم فرض نماز کے بعد کلمے شریف کا ذکر کرتے ہیں اور یہاں تک تعلق ہے نماز کے بعد ذکر کرنے کا وہ حدیث پاک سے ثابت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

کُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ بِالتَّکْبِیْرِ۔

(مشکوٰۃ شریف ص۸۸)

میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے پورا ہونے کو تکبیر سے پہچان جاتا تھا۔

یعنی ابھی میں گھر میں ہوتا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تکبیر پڑھنے کی آواز سنتا تو میں سمجھ لیتا کہ اب نماز ہو چکی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ تکبیر سے مراد کیا ہے۔ اس کے لئے مشکوٰۃ کے صہ ۸۸ کے حاشیہ نمبر ۸ کو دیکھیں۔

فَقِيْلَ الْمُرَادُ بِهٖ الذِّكْرُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ	پس کہا گیا ہے کہ تکبیر سے مراد ذکر ہے بعد از نماز۔

اور افضل ذکر کیا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جو ہم نماز کے بعد پڑھتے ہیں۔

ایہو افضل ذکر پچھان دِلا
آیا وچ حدیث بیان دِلا
ایہو مطلب خاص قرآن دِلا
پڑھو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

معزز سامعین!
اب آخر میں ذکر الٰہی کے فائدے سنیئے۔

فوائد ذکر الٰہی!

ذکر الٰہی شیطان کو دفع کرتا ہے اور اس کی قوت کو توڑتا ہے۔

- ذکر الٰہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے۔
- ذکر الٰہی دل سے فکر وغم کو دور کرتا ہے۔
- ذکر الٰہی جسم اور دل کو قوت بخشتا ہے۔
- ذکر الٰہی چہرہ اور دل کو منور کرتا ہے۔

- ذکرالٰہی ___ رزق کو کھینچتا ہے۔
- ذکرالٰہی ___ معرفتِ الٰہی کا دروازہ کھولتا ہے۔
- ذکرالٰہی ___ لغزشوں اور خطاؤں کو دور کرتا ہے۔
- ذکرالٰہی ___ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔
- ذکرالٰہی ___ کا نور دنیا میں بھی ساتھ رہتا ہے۔
- ذکرالٰہی ___ کا نور قبر میں بھی ساتھ رہتا ہے۔
- ذکرالٰہی ___ کا نور آخرت میں پل صراط پر بھی آگے آگے ہوگا۔
- ذکرالٰہی ___ شکر کی جڑ ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا۔
  وہ شکر بھی ادا نہیں کرتا۔
- ذکرالٰہی ___ دل کی بیماریوں کا علاج ہے۔
- ذکرالٰہی ___ کرنیوالے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فرشتوں کی دعا ہوتی ہے
- ذکرالٰہی ___ کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں۔
- ذکرالٰہی ___ کی وجہ سے ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔
- ذکرالٰہی ___ جہاد فی سبیل اللہ میں تلوار توڑنے اور بے دریغ راہِ خدا
  میں مال لٹانے سے بہتر ہے۔
- ذکرالٰہی ___ کرنیوالوں کے تمام گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔
- ذکرالٰہی ___ کی محفل مومن کیلئے دو لاکھ بری محفلوں سے بہتر ہے۔
- ذکرالٰہی ___ کی برکت سے عمر میں برکت ہوتی ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زیادہ سے زیادہ ذکرالٰہی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کمالِ نسبت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وصدق

رسولہ النبی الکریم۔

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عقیدت ومحبت کے ساتھ سب مل کر ہدیہ درود وسلام پیش کریں۔

حضراتِ گرامی!

میں نے آپ کے سامنے قرآنِ مجید فرقانِ حمید کی ایک آیہ کریمہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ خدا اور محبت صادقین کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ خالق کائنات نے ارشاد فرمایا۔

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (پ۱۱)	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ

حضرات محترم!

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جیسی صحبت ہو گی ویسا اثر ہو گا۔ اگر نسبت اچھی ہو گی تو انسان اچھا بن جائے گا۔ اگر نسبت بری ہو گی تو انسان برا بن جائے گا۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ اچھی صحبت و نسبت انسان کو جنت میں لے جائے گی اور بری صحبت و نسبت انسان کو دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار کر کے دوزخ میں لے جائے گی۔ جیسی صحبت ویسا اثر، کسی نے کیا خوب کہا کہ

چنگیاں دے لڑ لگیاں ... میری جھولی پھل پئے
مندیاں دے لڑ لگیاں ... اگلے وی ڈل گئے!
چن او مورکھا! ... اہیہ سارے رل گئے
ذات کے رہے نہ اُت کے رہے ... جیہڑے سوہنے دے دیوانے مل گئے

معزز سامعین !

یوں سمجھیں کہ اگر ادنیٰ کی نسبت اعلیٰ سے ہو جائے تو وہ ادنیٰ بھی اعلیٰ بن جاتا ہے۔ اگر جز کی نسبت کل سے ہو جائے تو وہ جز بھی کل بن جاتا ہے ——
اگر قطرے کی نسبت دریا سے ہو جائے تو وہ بھی دریا بن جاتا ہے ——
اگر عام کی نسبت خاص سے ہو جائے تو وہ عام بھی خاص بن جاتا ہے ——
اگر ذرے کی نسبت زر سے ہو جائے تو وہ ذرہ بھی زر بن جاتا ہے ——
اگر گنہگار کی نسبت کسی نیکوکار سے ہو جائے تو وہ گنہگار بھی نیکوکار بن جاتا ہے
—— اگر چور کی نسبت غوث اعظم سے ہو جائے تو وہ چور، چور نہیں رہتا قطب بن جاتا ہے۔ اسی لئے رب کائنات نے ارشاد فرمایا۔

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ | سچوں کے ساتھ ہو جاؤ

ان کی صحبت اختیار کر لو۔ ان کی سنگت میں آجاؤ۔ ان کا قرب حاصل کر لو یہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مخلص بندے ہیں انکا قرب قرب الٰہی ہے۔ ان کی سنگت و نسبت ذریعہ نجات ہے۔ جیسا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

شانِ اولیاء !

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ عبادت بے ریا

کہ ولی کامل کے پاس ایک گھڑی بیٹھنا سو سال کی بے ریا عبادت سے بڑھ کر ہے۔ علاوہ ازیں مولانا اشرف علی تھانوی نے تو یہاں تک کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ | جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میں

يَّجْلِسَ مَعَ اللّٰهِ فَلْيَجْلِسْ مَعَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ	اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھوں۔ اسے چاہیئے کہ کسی ولی اللہ کے پاس بیٹھ جائے۔ سچوں
كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ	کے ساتھ ہو جاؤ۔

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مخلصین ہیں کہ ان سے شیطان بھی دور بھاگتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان لعین کو اپنے دربار سے مردود کر کے نکال دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کچھ دعائیں مانگیں اور اس کے بعد یہ بھی کہا کہ میں بندوں کو گمراہ کر دوں گا۔ مگر اس کے ساتھ ہی لاچاری کا بھی اظہار کیا۔

شیطان کی لاچاری!

وہ یہ کہ یا اللہ میں تیرے تمام بندوں کو گمراہ کر دوں گا۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ (پ ۲۳)	مگر تیرے بندے ان میں جو مخلص ہیں۔

کیا مطلب یعنی جو تیرے برگزیدہ ہیں۔ ان پر میرا داؤ نہیں چل سکتا۔

حضرات!

چونکہ شیطان دشمنِ انسان ہے اور اس کی ہر وقت یہی کوشش ہوتی ہے۔ کہ کسی نہ کسی طریقہ سے انسان کو گمراہ کرے اور راہِ راست سے بھٹکا دے۔ تو شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ	سچوں کے ساتھ ہو جاؤ

یعنی جب تم ان کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دو گے۔ جب تم انہیں اپنا ہادی و رہنما بنا لو گے۔ تو پھر تم شیطان کے مکر و فریب سے بچ جاؤ گے۔

اور دوسرا یہ کہ ان کی صحبت سے جنت کے حقدار بن جائیں گے۔ آپ سوچیں گے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اولیاء اللہ اور صادقین کی صحبت و نسبت سے جنت ملے گی تو اس کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بڑے احسن انداز سے اصحاب کہف کے اس کتے کا ذکر کیا ہے جو اولیاء اللہ کی صحبت میں رہ کر جنتی بن گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اصحابِ کہف کا کتّا!

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ	اور ان کا کتّا اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے ہے۔ غار کی چوکھٹ پر

معزز سامعین!

معلوم ہوا کہ ایک کتے نے ولیوں کی صحبت اختیار کی تو اس کا ذکر قرآن مجید میں آگیا۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے جنت عطا فرمائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کتا ولیوں کی صحبت اختیار کرکے جنتی ہو سکتا ہے۔ انسان تو اشرف المخلوق ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اگر ایک گنہگار انسان سچوں کی معیت اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمادے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ	جس کو جس کے ساتھ محبت ہوگی۔ وہ قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا۔ (بخاری شریف ص۹۱۱ ج۲)

حضرات محترم!
یہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ کہ ان کی صحبت ان کی محفل میں حاضر ہونے والا خداوند تعالیٰ کی رحمت و بخشش کا حقدار بن جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ:۔

مجلس صالحین:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین پر چکر لگاتے رہتے ہیں اور اللہ کے ذکر کی محفل تلاش کرتے ہیں۔ پس جب وہ ذکر الٰہی کرنے والوں کو پا لیتے ہیں۔ تو وہ فرشتے دوسرے فرشتوں کو آواز دیتے ہیں۔

هَلُمُّوْا اِلٰى حَاجَتِكُمْ	ادھر آؤ یہاں ذکر کی محفل شروع ہے۔

یعنی جس محفل کو تم تلاش کر رہے ہو وہ اس جگہ شروع ہے۔ اور پھر اس جگہ اتنے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ کہ اُن ذکرِ الٰہی کرنیوالوں کو آسمانِ دنیا تک ڈھانپ لیتے ہیں۔ پھر جب محفل ختم ہو جاتی ہے تو وہ فرشتے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے۔ اے میرے فرشتو میرے بندے کیا کہتے ہیں۔ وہ عرض کرتے ہیں یا اللہ۔

يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيَحْمَدُوْنَكَ وَيُمَجِّدُوْنَكَ	وہ تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور تیری بڑائی اور تیری تعریف اور تیری بزرگی بیان کرتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے مجھے دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کرتے

ہیں۔ اے اللہ ہمیں تیری قسم ہے۔ انہوں نے تجھے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے پھر ان کا کیا حال ہوتا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ یا مولیٰ پھر تو وہ بہت زیادہ تیری عبادت کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے وہ کیا مانگتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ یا اللہ وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ خدا کی قسم انہوں نے جنت نہیں دیکھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ جنت دیکھ لیتے تو اس کی بہت زیادہ خواہش کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں فرشتے عرض کرتے ہیں دوزخ سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ خدا کی قسم انہوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں مولیٰ پھر تو وہ اس سے بہت ڈرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے فرشتو میں تمہیں گواہ بناتا ہوں۔ کہ میں نے انہیں بخش دیا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا پھر فرشتے عرض کرتے ہیں۔ یا اللہ ان میں ایک شخص ایسا بھی تھا۔ جو کسی حاجت کے لئے آیا تھا۔ یعنی وہ محفل میں شامل ہونے کی نیت سے نہیں آیا تھا۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ (مشکوٰۃ شریف صہ ۱۹۷)	وہ ایسی مجلس والے ہیں کہ ان کا ہمنشین بدبخت نہیں ہو سکتا۔

حضرات محترم!

یہ سب نسبت کا کمال ہے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کُند
صحبتِ طالع ترا طالع کُند

ہم قرآن مجید کی ریل اور قرآن مجید کے غلاف کو کیوں چُومتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ بہت زیادہ قیمتی یا بہت خوبصورت ہے۔ بلکہ صرف اس لئے اسے بوسہ دیتے ہیں کہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی پیاری کلام سے ہو گیا ہے۔ اور اسی طرح حاجی جب حج کے لئے جاتے ہیں تو طوافِ کعبہ اور میدانِ عرفات کی حاضری کے ساتھ ساتھ صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر سات چکر بھی لگاتے ہیں۔ آخر وجہ کیا ہے کہ پہاڑیاں تو یہاں پاکستان میں بھی بہت ہیں۔ مگر ان پہاڑیوں پر چکر لگانے سے حج کا ثواب نہیں ملتا۔ وہ اس لئے کہ صفا و مروہ وہ پہاڑیاں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی خاص بندی حضرتِ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدم لگ گئے ہیں۔ تو یہ پہاڑیاں اب عام پہاڑیوں کی طرح نہ رہیں۔ بلکہ

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ (پ ۲)	بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

حضراتِ گرامی!

ثابت ہوا کہ جس جگہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے قدم لگ جائیں وہ جگہ عام نہیں رہتی۔ بلکہ عام سے خاص بن کر خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بن جاتی ہے۔ جس جگہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے قدم لگ جائیں وہ جگہ ڈھوڈا شریف ہو ـــــــ خواہ محدث اعظم پاکستان کا دربار شریف ہو ـــــــ خواہ علی پور شریف ہو ـــــــ خواہ بھکھی شریف ہو ـــــــ خواہ سیال شریف ہو ـــــــ خواہ پاکپتن شریف ہو ـــــــ خواہ مزار

داتا علی ہجویری ہو ———— خواہ دربار سلطان العارفین ہو ———— خواہ دربار موہڑی شریف ہو وغیرہ۔ گویا کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے نیک و مخلص بندوں کے قدم لگ جائیں وہ جگہ معظم بن جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے شعائر اللہ کی عظمت و شان کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ	اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا۔ اس کا دل پرہیزگار ہے۔

معززسامعین!

جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے۔ کہ اولیاء اللہ کی صحبت سے انسان اللہ تعالیٰ کے کرم و فضل کا حقدار بن جاتا ہے۔ بلکہ ان مخلصین کی صحبت سے زندگی کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

سو آدمیوں کا قاتل!

حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:۔

كَانَ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِنْسَانًا	کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے آدمی قتل کئے تھے۔

پھر توبہ کے ارادہ سے ایک راہب کے پاس گیا۔ اس سے کہا کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ راہب کہنے لگا تیری توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اُس قاتل نے راہب کو بھی قتل کر دیا۔

فَكَمَّلَ بِهٖ مِائَةً	اب سو پورے ہو گئے

پھر کسی اور سے پوچھا۔ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ اس نے کہا ہاں فلاں بستی میں چلے جاؤ۔

فَاِنَّ بِھَا اُنَاسًا یَعْبُدُوْنَ اللّٰہَ	وہاں کچھ لوگ رہتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں۔

تو اس سو آدمی کے قاتل نے اس بستی کی طرف سفر شروع کر دیا لیکن ابھی وہ گنہگار شخص اس بستی میں پہنچا نہیں تھا کہ راستہ میں ہی فوت ہو گیا۔ اب اس شخص کو لینے کے لئے رحمت کے فرشتے بھی آ گئے۔ اور عذاب والے بھی۔ عذاب کے فرشتے کہنے لگے کہ اس کی روح ہم لے کر جائیں گے۔ کیونکہ یہ سو آدمیوں کا قاتل ہے۔ رحمت کے فرشتے کہنے لگے۔ اس کی روح ہم لے کر جائیں گے۔ بے شک یہ سو آدمیوں کا قاتل ہے۔ لیکن توبہ کی نیت سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کیطرف جا رہا تھا۔ جب فرشتوں میں یہ بحث ہوئی تو خالقِ کائنات جلّ وعلا نے فرمایا جہاں سے یہ چلا تھا اور جس طرف جا رہا تھا۔ دونوں طرف سے زمین ناپ لو۔ اگر اپنی بستی کے قریب ہے تو دوزخ میں لے جاؤ۔ اگر اولیاء اللہ کی بستی کے قریب ہے تو جنت میں لے جاؤ۔ چنانچہ دونوں طرف سے زمین کو ناپا گیا تو پتہ چلا کہ اولیاء اللہ کی بستی کے قریب ہے اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے فرشتو کیا بنا۔ عرض کی مولیٰ

ھٰذَا اَقْرَبُ بِشِبْرٍ فَغُفِرَ لَہٗ (مسلم شریف جلد ۲ ص ۳۵۶ مشکوٰۃ ص ۲۰۳)	یہ ایک بالشت اولیاء اللہ کی بستی میں داخل ہو گیا تھا پس وہ بخشا گیا۔

۵ نج پال پریت نوں توڑ دے نیئیں،
جیہڑی باہنہ پھڑ لے اوہنوں چھوڑدے نئیں

حضرات !
جیسا کہ میں نے شروع میں بھی عرض کیا تھا کہ اچھی صحبت اور نیکوں کی نسبت سے انسان جنتی ہو سکتا ہے۔

شفاعتِ ولی اللہ !

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد جب جنتی جنت میں جا رہے ہوں گے ایک طرف دوزخیوں کی صف ہوگی۔ جب ان کے قریب سے کوئی اللہ کا ولی گزرے گا۔ تو ان دوزخیوں میں سے کوئی ولی اللہ کو پہچان کر کہے گا۔ کیا آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں وہی ہوں۔ جس نے آپ کو دنیا میں ایک مرتبہ پانی پلایا تھا اسی طرح۔

وَقَالَ بَعْضُهُمْ ان میں سے کوئی اور کسی دوسرے جنتی کو دیکھ کر کہے گا۔ میں وہ ہوں جس نے آپ کو دنیا میں وضو کروایا تھا۔

فَيَشْفَعُ لَهٗ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ (مشکوٰۃ شریف صہ ۴۹۴)	پس وہ نیک لوگ ان گنہگاروں کی شفاعت کریں گے جس سے ان کی بخشش ہو جائے گی۔

ع
بچ پال پریت نوں توڑ دے نئیں
جیہدی بانہہ پھڑ دے اوہنوں چھوڑ دے نئیں

محبّتِ اولیاء !

حضرت قاسم بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا تو حضرت حافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ خوشخبری دی اے بشر میں نے تجھے بخش دیا۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کی یا اللہ جس جس کو مجھ سے محبت ہے ان سب کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلِكُلِّ مَنْ اَحَبَّكَ (شرح صدور ص ۱۲۰)	اور قیامت تک ہر اس شخص کو بخش دیا۔ جس کو تجھ سے محبت ہے۔

لج پال پریت نوں توڑدے نئیں
جیہدی بانہہ پھڑدے اوہنوں چھوڑدے نئیں

صحبتِ اولیاء!

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ فلاں بستی میں ایک ولی فوت ہو گیا ہے۔ اُسے غسل دو اور اس کا جنازہ پڑھا کر دفن کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس بستی میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے کہا یہ گنہگار آدمی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی یا اللہ اس کے نیک ہونے کے متعلق تو گواہی کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے میرے کلیم بیشک یہ گنہگار و سیاہ کار تھا۔ لیکن اس کی ایک بات مجھے پسند آگئی۔ لہٰذا میں نے اسے بخش دیا۔ عرض کی مولیٰ وہ کونسی بات ہے۔ جس کے سبب اس کی بخشش ہو گئی۔ فرمایا یہ ہر روز آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کرتا تھا۔
کہ اے میرے رب تو جانتا ہے اگرچہ میں خود تو نیک نہیں ہوں مگر

میں تیرے نیک بندوں سے محبت کرتا ہوں۔

(نزہت المجالس ص۲۲۳ ج۔۱)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ضرورتِ مُرشد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا وَغَوْثِنَا وَغِیَاثِنَا وَمَلْجَانَا وَمَاوَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عقیدت و محبّت کے ساتھ ہدیہ درود و سلام پیش کریں۔

حضرات محترم!

میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید فرقان حمید کی جو آیہ کریمہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ اس میں انعام یافتہ لوگوں کے راستے پہ چلنے کی دعا کی گئی ہے۔ چنانچہ ربِ کائنات جل و علا نے ارشاد فرمایا۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ	دکھا ہمیں سیدھا راستہ، راستہ ان لوگوں کا جن پر تیرا انعام ہوا ہے۔

حضرات!

اب دیکھنا یہ ہے کہ انعام یافتہ لوگ کون ہیں۔

خالقِ کائنات نے ارشاد فرمایا۔

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (پ ۵)	جن پر اللہ نے فضل کیا۔ یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

حضرات گرامی!

کوئی کسی مدعی علم کے پیچھے چلے ہو سکتا ہے۔ کامیاب نہ ہو ——— کوئی کسی کاریگر کے پیچھے چلے ہو سکتا ہے کامیاب نہ ہو ——— کوئی کسی سائنسدان کے پیچھے چلے ہو سکتا ہے کامیاب نہ ہو ——— کوئی کسی دنیا دار کے پیچھے چلے ہو سکتا ہے کامیاب نہ ہو ——— مگر جو شخص ان انعام یافتہ گروہوں سے دوستی کرے گا۔ وہ یقیناً کامیاب ہوگا۔ اس لئے کہ!

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔	یہ اچھے دوست ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ (پ ۲۱)	جس نے میری طرف رجوع کیا اس کی پیروی کرو۔

اس کا دامن پکڑو۔ اس کے نقشِ قدم پر چلو۔ اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دو۔

معزز سامعین!

آخر اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد کیوں فرمایا۔ کہ میری طرف رجوع کرنے والے کی پیروی کرو۔ حالانکہ وہ تو خود فرماتا ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (پ ۲۶)	میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

معزز سامعین!

اللہ تعالیٰ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ مگر وہ نظر نہیں آتا۔ وجہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر انسان کی آنکھ ہر چیز کو دیکھتی ہے۔ مگر جب آنکھ میں سُرمہ لگ جاتا ہے تو وہ سُرمہ نظر نہیں آتا۔ حالانکہ سُرمہ آنکھ کے بہت قریب ہے۔ مگر نظر نہیں آتا۔ نظر کیسے آئے گا۔ کسی چیز کا سہارا لینا پڑے گا۔ وہ یہ کہ شیشہ اٹھاؤ تو آپ کی آنکھ میں لگا ہوا سُرمہ نظر آ جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہے تو بہت قریب مگر نظر نہیں آتا یعنی رب تعالیٰ کی معرفت نہیں ہوتی۔ آپ اگر معرفتِ الٰہی چاہتے ہو تو کسی اللہ والے کا دامن پکڑ لو۔

؎ اللہ اللہ کئے جانے سے اللہ نہ ملے
اللہ والے ہیں جو اللہ سے ملا دیتے ہیں

یاد رہے کہ دامن بھی اس کا پکڑو۔ جو شریعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پابند ہو۔ اسی پیر کے ہاتھوں میں ہاتھ دو۔ جو پانچ وقت کا نمازی ہو۔ جس کے چہرے پر سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجی ہوئی ہو۔ اس کے قول و فعل اس کا اٹھنا بیٹھنا بلکہ زندگی کے تمام معاملات سنّت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہوں۔ پھر ہم اسی پیر کے متعلق کہیں گے کہ:۔

؎ جس کی ہر ہر ادا سُنّتِ مُصطفےٰ
ایسے پیرِ طریقت پہ سلام

حضرات!
اب دیکھنا یہ ہے کہ کامل ولی کی پہچان کیا ہے۔

ولی کامل کی پہچان:۔

حضور امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں نیک لوگوں کی علامات بتاؤں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا۔

خِیَارُکُمُ الَّذِیْنَ اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہ (مشکوٰۃ شریف ص۴۲۷)	تم میں بہترین لوگ وہ ہیں۔ جب انہیں دیکھو تو خدا یاد آجائے۔

یعنی ولی کامل کی نشانی یہ ہے۔ کہ اس کا چہرہ دیکھ کر خدا یاد آجائے۔
مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پیرِ کامل صورتِ ظلِ الٰہ !
یعنی دید پیر دیدِ کبریا

سلطان العارفین فرماتے ہیں۔

ایہہ تن میرا چشمہ ہووے میں مرشد ویکھ نہ رجاں ہُو
لُوں لُوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشماں اک کھولاں اک کجاں ہُو
اتنا ڈٹھیاں صبر نہ آوے ہور کتے ول بھجاں ہُو
مُرشد دا دیدار ہے حضرت باہُو میں لکھ کروڑاں حجاں ہُو

میرے دوستو اور بزرگو !

جیسا کہ مشہور کہاوت ہے کہ پانی پیو پُن کے اور پیر پھڑو چُن کے۔

چنانچہ خداوند تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اس چیز کو واضح کر دیا کہ:۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا (پ ۱۵)	اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

حضرات !

اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کی اطاعت نہ کرو اور کسی جاہل و بے علم اور بھنگی چرسی کو اپنا پیر نہ بنالو۔ جنہیں اپنی بھی ہوش نہیں ہے۔

گوٹ گوٹ بیتیاں
منہ مُڈیا نے اکھاں میٹیاں
لوکی آکھن مر گئے مر گئے !
اساں رب نال گلاں کیتیاں

اور یہ بھی یاد رہے کہ مرشد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (پ ۱۵)	اور جسے گمراہ کرے تو ہرگز اس کا کوئی حمایتی راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے۔

ضرورتِ مرشد!

لہٰذا

بناں تیل دے دیوا بل دا نئیں
بن پانی بوٹا پل دا نئیں
بن مرشد کلمہ چل دا نئیں
پڑھو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمدٌ رسولُ اللّٰہ

حضرات محترم!

صرف کلمہ پڑھ لینے سے بات نہیں بنے گی۔ اس کی حدود وقیودات پر بھی عمل پیرا ہونا ہوگا۔ ورنہ صرف نام کے مسلمان ہوں گے۔ جیسا کہ ہمارے لباس ہماری صورت ہماری سیرت ہمارے رسم ورواج سے عیاں ہے۔ ہمارا لباس سکھوں اور ہندوؤں جیسا۔ ہمارا چل پھر کر کھانا پینا انگریزوں اور بدمذہبوں جیسا کیا اسلام ہمیں یہی سبق سکھاتا ہے۔ کیا دین کی یہی تعلیم ہے۔ کیا خدا اور رسول کا یہی حکم ہے۔ کیا مسلمانی اسی کا نام ہے۔ آیئے اگر مسلمان ہیں تو پکے اور سچے مسلمان بن جایئے اور کسی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مخلص کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ	پس پوچھو اہل ذکر سے اگر

اَلذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پ ۱۷)	تم نہیں جانتے۔

یعنی اللہ والوں کے پاس جاؤ۔ ان سے دین کے بارے میں راہنمائی حاصل کرو اور مرشد کا بھی یہی مطلب ہے۔

پڑھ کلمہ پاک شریعت دا
پھڑ کامل پیر طریقت دا
جیہڑا دسے راہ حقیقت دا
پڑھو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

حضراتِ گرامی!

آپ جانتے ہیں کہ جس طرح بغیر ملاح کے کشتی دریا عبور نہیں کر سکتی۔ اسی طرح بغیر مرشدِ کامل انسان خدا تعالیٰ تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

ہے وہ پتھر کی سِل دل نہیں دوستو
جو کسی کی نظر کا ٹھکانا نہیں!
اس کو منزل مِل مدعا مِل گیا
جس کو بھی پیر کا آسرا مِل گیا
پیر کامل مِلا تو خدا مِل گیا
یہ حقیقت ہے واللہ فسانہ نہیں

اور پھر قیامت کے دن بھی یہی اعلان ہو گا کہ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ (پ ۱۵)	جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

کہ اے لوگو! اپنے اپنے اماموں کے ساتھ ہو جاؤ۔

حضرات!

جس کا دنیا میں کوئی ہادی و رہنما ہوگا وہ تو اس کے ساتھ ہوگا۔ جس کا کوئی نہ ہوگا۔ تو آپ خود ہی سمجھ لیں پھر وہ کس کے ساتھ ہوگا!

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کا پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے۔ (شرح بردہ خرپوتی صہ ۳۹)

سامعین!

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے پندرہویں پارے کے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ راہِ طریقت کا علم حاصل کرنے کے لئے مرشد و رہنما ضروری ہے۔

موسیٰ و خضر علیہم السلام

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی جماعت میں بہت عالیشان بیان فرمایا ہے۔ وعظ کے بعد کسی نے پوچھا کیا آپ سے بڑا عالم بھی کوئی ہے فرمایا نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تم سے بڑے عالم خضر علیہ السلام ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اُن کا پتہ پوچھا۔ فرمایا۔ جس جگہ دو دریا آپس میں ملتے ہیں وہ آپ کو وہاں ملیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کی نشانی یہ بتائی کہ جس جگہ بھُنی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی جائے گی۔ وہاں ملیں گے۔ آپ نے مچھلی لی اور یوشع علیہ السلام (جو کہ آپ کے بھانجے تھے اور لائق شاگرد ہونے کی وجہ سے آپ کے خلیفہ بنے) اپنے خدمت گار کو ساتھ لیا اور چل دیئے۔

دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ جو کہ بحر فارس و بحر روم تھی۔ یہاں موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کی ملاقات ہونا تھی۔ جب وہاں پہنچے وہاں ایک پتھر کی چٹان بھی۔ اُس کے نیچے آبِ حیات کا چشمہ تھا۔ ساں دونوں بزرگوں نے وہاں آرام فرمایا اور ناشتہ کے لئے بھُنی ہوئی مچھلی ساتھ تھی۔ اسے جب پانی لگا تو وہ زندہ ہو کر پانی میں اُتر گئی۔ یوشع علیہ السلام بیدار تھے اور یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ مگر جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو وہ آپ سے یہ واقع عرض کرنا بھُول گئے۔ اور دونوں وہاں سے چل پڑے۔ جب دوپہر کا وقت آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانا طلب کیا۔ یُوشع علیہ السلام پریشان ہو گئے عرض کی حضور میں آپ کو بتانا بھُول گیا۔ وہ مچھلی تو وہیں پانی میں چلی گئی تھی۔ جہاں ہم نے آرام کیا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات سُنی تو فرمایا چلو پھر واپس وہی ہماری منزل ہے۔ جب پھر اُسی مقام پر واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے میرے مقبول بندے کو پا لیا۔ جسے ہم نے رحمت اور علم ادنیٰ عطا کیا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (پ ۱۵)	اس سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے۔ نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی۔

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو علمِ طریقت کے حصُول کے لئے کہا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا۔

بے شک آپ ضرور میرے ساتھ چلیں مگر۔

قَالَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا (پ ۱۵)

کہا آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے۔

یعنی آپ میرا کام دیکھ کر صبر نہ کر سکیں گے۔

حضرات!

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السّلام کو علم غیب عطا فرمایا تھا آپ نے اُسی علم سے فرمایا کہ آپ صبر نہ کر سکیں گے جو بعد میں ہونا تھا وہ آپ نے پہلے ہی بتا دیا۔

آپ صبر بھی کیسے فرما سکتے تھے۔ جب کہ آپ ان کاموں سے متعلق ہی نہیں تھے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السّلام شریعت کے امام اور خضر علیہ السّلام طریقت کے ماہر تھے۔ اسی لئے خضر علیہ السّلام نے جو بھی کام کئے وہ شریعت کے خلاف تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جواب دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنیوالا پاؤ گے اور میں آپ کے کسی کام پر اعتراض نہیں کروں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اچھا اگر آپ لازمی ہی میرے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔ تو میرے کسی کام پر اعتراض نہ کرنا۔ خاموشی سے چلتے جانا۔ میں خود ہی وضاحت کروں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے ایسے ہی ہو گا۔ پھر وہ دونوں چلے اور ایک دریا کے کنارے پہنچے کشتی پر سوار ہونے کے لئے آگے بڑھے تو ملاح نے خضر علیہ السّلام کو پہچان لیا۔ اور کرایہ لئے بغیر سوار کر لیا۔ جب کشتی دریا کے درمیان پہنچی تو حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے نیچے سے دو پھٹے اکھاڑ دیئے۔ مگر پانی کا ایک قطرہ بھی کشتی میں نہ آیا۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السّلام بول اُٹھے۔ کیا آپ نے کشتی کو اس لئے پھاڑا ہے کہ یہ تمام ڈوب جائیں۔ یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ ایک ملاحوں نے ہم سے کرایہ بھی نہیں،

لیا۔ اور آپ نے ان کی کشتی کو خراب کر دیا۔ خضر علیہ السّلام نے فرمایا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ صبر نہیں فرما سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کہنے لگے چلو اب کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔ پھر دونوں چلے حتیٰ کہ ایک میدان آ گیا۔ یہاں بچے کھیل رہے تھے ان میں ایک بچہ جلیسور نامی نہایت ہی خوبصورت وحسن وجمال والا تھا۔ خضر علیہ السّلام اسے دیوار کی آڑ میں لے گئے اور اُسے قتل کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا۔

قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۔ (پ ۱۵)	فرمایا تم نے ایک بے گناہ کو قتل کر ڈالا تم نے بہت بُرا کیا

خضر علیہ السّلام نے فرمایا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ صبر نہیں کر سکیں گے موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا۔ اگر اس کے بعد میں نے آپ پر کوئی اعتراض کیا تو پھر بے شک آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں۔ پھر دونوں چلے ایک بستی جس کا نام انطاکیہ تھا، کے پاس سے گزرے۔ بھوک لگی ہوئی تھی بستی والوں سے کہا ہم تمہارے مہمان ہیں۔ ہمیں بھوک لگ رہی ہے۔ کھانا چاہیئے وہ کہنے لگے یہاں مہمانوں کا کوئی بند وبست نہیں۔ کہیں اور جگہ چلے جاؤ۔ جب اس بستی سے نکلنے لگے کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک دیوار (جو تقریباً سو گز اونچی تھی) گرنے والی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو ہاتھ سے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السّلام کہنے لگے اعتراض تو کوئی نہیں، مگر ان لوگوں نے ہمیں کھانا بھی نہیں کھلایا اور آپ ان کی دیوار میں سیدھی کر رہے ہیں۔ اگر تم چاہتے تو اس پر کچھ اُجرت لے لیتے حضرت خضر علیہ السّلام نے فرمایا۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے کام پر صبر نہیں کر سکیں گے۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ (پ ۱۶)	فرمایا یہ میری اور آپ کی جُدائی ہے۔

جاتے ہوئے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ان کاموں کا باطن بھی بتا دوں۔ جن کے ظاہر پر آپ نے اعتراض کیا تھا۔

۱۔ وہ کشتی جو میں نے پھاڑ ڈالی تھی اس کے مالک غریب لوگ تھے اور وہ اس کے ذریعہ اپنے بال بچوں کی روزی کماتے تھے اور جس دن ہم سوار ہوئے تھے۔ اس وقت دریا کے دوسرے کنارے ایک ظالم بادشاہ (جس کا نام جلندی بن کرکر تھا۔ جو اندلس کی لبنیٰ قرطبہ کا بادشاہ تھا) بیٹھا ہوا تھا۔ جو کشتی بھی صحیح و سالم دیکھتا اسے چھین لیتا میں نے سوچا کہ کشتی کو عیب لگا دوں تاکہ ان غریبوں کی کشتی بچ جائے۔

۲۔ وہ بچہ جو میں نے قتل کیا تھا۔ اس کے والدین مومن ہیں۔ لیکن اُس بچے کی پیشانی پر کافر لکھا ہوا تھا اور والدین کو اس سے بہت پیار تھا۔ میں نے سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بچے کی محبت میں والدین بھی کافر ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ اس کے والدین کو اس سے بہتر بچہ عطا فرما دے گا۔

۳۔ رہی وہ دیوار جسے میں نے اپنے ہاتھ سے سیدھا کر دیا تھا۔ اس دیوار کے مالک یتیم بچے تھے (بچوں میں ایک کا نام اَصرم اور دوسرے کا نام صریم تھا) اور اس دیوار کے نیچے ان کے باپ نے خزانہ دفن کر دیا تھا۔

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ج (پ ۱۶)	اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔

اگر وہ دیوار گر جاتی تو خزانہ لوگ لوٹ کر لے جاتے اور یہ بچے ابھی چھوٹے ہیں۔ میں نے اس دیوار کو سیدھا کیا تاکہ ان یتیموں کا حق ضائع نہ ہو جائے۔ جب یہ بچے جوان ہوں گے تو ہم انہیں بتا دیں گے کہ تمہارے باپ نے اس دیوار کے نیچے تمہارے لئے خزانہ رکھا ہوا ہے اور جو کچھ بھی میں نے کیا اپنے حکم سے نہ کیا۔ اور یہی ان باتوں کا راز ہے۔ جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔

حضراتِ گرامی!

اس پورے واقعہ سے معلوم ہوا کہ جو علم حاصل کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے تھے۔ وہ علم شریعت نہ تھا۔ بلکہ علمِ طریقت تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے اس کی وحی فرما دیتا اور حضرت خضر علیہ السلام کے پاس نہ بھیجتا۔

یاد رہے کہ علمِ طریقت زبان سے نہیں بلکہ صحبت اور نظر سے سکھایا جاتا ہے۔

طیبہ سے منگائی جاتی ہے
سینوں میں چھپائی جاتی ہے
توحید کے مے پیالوں سے نہیں
نظروں سے پلائی جاتی ہے

اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کے ولی کے پاس جانا اللہ تعالے کے پیارے نبی کی سُنّت ہے۔

بلکہ رب تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ:۔

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ	پس پوچھو اہل ذکر سے اگر تم نہیں جانتے۔

میرے بزرگو اور دوستو!

اسی طرح حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے توبہ کرنے اور دنیاوی تخت و تاج کو ٹھکرا کر ولایت کے عظیم مرتبہ پر فائز ہونے کا سبب بھی اہل طریقت کی نظر کا اثر ہے۔

بلخ کا بادشاہ!

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ آپ بلخ کے بادشاہ تھے۔ ایک دفعہ رات کو آپ اپنے محل میں عالی شان تخت پر آرام فرما تھے۔ کہ اچانک آپ بیدار ہوئے اور محل کی چھت سے کسی کے چلنے کی آواز آئی حیران ہوئے کہ کون ہے جو اس وقت میرے محل کی چھت پر پھر رہا ہے۔ کیا اسے علم نہیں کہ یہ بادشاہ کا محل ہے۔ آواز دے کر پوچھا کون ہے۔ چھت پر چلنے والے نے جواب دیا۔ اے بادشاہِ وقت میں ایک مفلس اور غریب آدمی ہوں۔ میرا اونٹ گم گیا ہے۔ اس کی تلاش میں پھر رہا ہوں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے کہا ارے بیوقوف کبھی اونٹ چھتوں سے بھی ملتے ہیں۔ اس نے جواب دیا جناب اگر چھت سے اونٹ نہیں مل سکتا تو ریشمی مخمل کے بستر پر خدا بھی نہیں مل سکتا۔ حضرت ابراہیم نے یہ سُنا تو کانپ گئے اور دل میں تذبذب سا پیدا ہو گیا۔ کہ یہ کیسا جواب ہے۔ ساری رات بے آرامی میں گزر گئی۔ صبح ہوتی بادشاہ کا دربار لگا۔ روزمرّہ کے معمول کے مطابق ابراہیم تختِ شاہی پر بیٹھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اچانک دربار میں ایک شخص بڑے جاہ و جلال اور رعب و دبدبہ کے ساتھ داخل ہوا اور تخت کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کدھر آئے ہو۔ کہاں سے آئے ہو۔

اور کون ہو آنے والے نے جواب دیا کہ میں تمہاری اس سرائے میں چند دن ٹھہرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے سرائے کا لفظ سنا تو چونک گئے کہنے لگے ارے خدا کے بندے یہ تمہیں سرائے نظر آتی ہے۔ یہ تو ایوانِ سلطنت ہے۔ بادشاہ کا دربار ہے۔ اس نے کہا مجھے بتاؤ۔ کہ آپ سے پہلے یہاں کون تھا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھ سے پہلے میرا باپ تھا۔ اس نے کہا آپ کے باپ سے پہلے فرمایا میرا دادا۔ اسی طرح پشت در پشت گنوانے کے بعد اس نے پوچھا۔ آپ کے بعد یہاں کون ہوگا۔ آپ نے فرمایا میرا بیٹا۔ اس کے بعد میرا پوتا۔ حتیٰ کہ اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ پھر اس بارعب شخص نے کہا۔ ذرا سوچیے کہ جس جگہ اتنے آدمی آئیں اور جائیں۔ وہ سرائے نہیں تو اور کیا ہے۔ اس آدمی نے اتنا کہا اور چل دیا۔ آپ تو پہلے بھی پریشان تھے۔ مگر جب اس اجنبی آدمی سے سوال و جواب ہوئے تو اور بھی زیادہ مضطرب ہو گئے۔ آپ نے تخت کو چھوڑا اور اس اجنبی کی تلاش میں نکل گئے۔ جب وہ نظر آگئے تو قریب جا کر پوچھا یہ تو بتاؤ تم کون ہو۔ اس بزرگ شخصیت نے اپنا چہرہ ابراہیم کی طرف کرتے ہوئے فرمایا میں خضر علیہ السلام ہوں۔ یہ سُن کر آپ تڑپ اٹھے۔ دل سے عشقِ الٰہی کی کرن پھوٹ پڑی۔

اس کے بعد آپ واپس اپنے محل کی طرف آ رہے تھے۔ کہ غیبی آواز آئی اے ابراہیم اس وقت سے پہلے جاگو۔ جب تمہیں موت کے ذریعہ جگایا جائے۔ یہ آواز سنی تو کیفیت ایسی بدلی کہ دل کی دنیا اور ہو گئی۔ دنیا کی کرسی کو ٹھکرا دیا اور جنگلوں بیابانوں میں یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

اس کے بعد ایک غار میں چھپ کر ذکرِ الٰہی کرنے لگے۔ حتیٰ کہ نو سال گزر گئے۔ ادھر لوگوں کو خبر ہو گئی۔ کہ ابراہیم بن ادھم تو اس غار میں ہیں۔

آپ نے سوچا اب اگر یہاں رہوں تو ہو سکتا ہے کہیں دل میں ریاکاری نہ آجائے۔ آپ غار سے نکل کر مکہ معظمہ کی جانب چل پڑے۔ راستہ میں آپ کو ایک مردِ خدا ملے۔ جنہوں نے آپ کو اسم ذات کی تعلیم دی۔ جب وہ بزرگ تشریف لے گئے تو حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا۔ اے ابراہیم جس نے تمہیں اسم ذات سکھایا ہے۔ کیا اُسے جانتے ہو۔ آپ نے عرض کی نہیں فرمایا۔ وہ میرے بھائی الیاس علیہ السلام تھے اور میں تیرا مرشد و رہنما ہوں۔ کیونکہ میں نے ہی تجھے راہِ طریقت پر چلایا ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۔ طیبہ سے منگائی جاتی ہے
سینوں میں چھپائی جاتی ہے
توحید کے مئے پیالوں سے نہیں
نظروں سے پلائی جاتی ہے

حضراتِ محترم!
راہِ طریقت کی منازل طے کرنے اور معرفتِ الٰہی کے حصول کے لئے حضرت سلطان العارفین سلطان باہُو رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مُرشد کی تلاش میں نکلنا پڑا۔

سلطان العارفین!

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ بی بی راستی نے ایک دن اپنے لختِ جگر کو فرمایا۔ بیٹا معرفت کے حصول کے لئے مرشد ضروری ہے اور یہ راستہ روشنی کے بغیر طے نہیں ہو سکتا۔ روشنی تلاش کرو۔ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا امی جان میرے مرشد تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اب مجھے کسی مرشد کی کیا ضرورت ۔ بی بی راستی نے بیٹے کو سینے سے لگا لیا اور فرمایا بیٹا اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کامل مرشد کون ہو سکتا ہے ۔ لیکن بیٹا معرفت کی دنیا کا نظام یہی ہے کہ ظاہری رہبر کی رہبری ضرور حاصل کی جائے ۔ اس کے بغیر حقیقی معرفت حاصل نہیں ہوتی ۔ جیسے ظاہری شریعت کی پیروی کے بغیر باطنی سربلندی نہیں ملتی ۔ بی بی راستی نے سلطان العارفین کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنایا ۔ بیٹا ان کے کامل ہونے میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے ۔ وہ تو کلیم اللہ ہیں ۔ انہیں خدا تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل تھا ۔ پھر بھی ظاہری واسطہ لازم قرار پایا اور انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کی پیروی کی ۔ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر گئے ۔ پھر ان پر وہ اسرار و رموز بھی منکشف ہوئے جو پہلے منکشف نہیں ہوتے تھے ۔ ماں کی ترغیب سلطان العارفین کے دل کو لگ گئی ۔ آپ نے بے قراری سے پوچھا ۔ امی جان روشنی کہاں ہے ۔ میں کس سمت جاؤں ۔ بی بی راستی نے فرمایا ۔ بیٹا مجھے معرفت کی خوشبو مشرق کی سمت سے محسوس ہوتی ہے ۔ سلطان العارفین نے اسی وقت ماں سے اجازت لی اور مستانہ وار مرشد کی تلاش میں نکلے ۔ قریہ قریہ ، بستی بستی کی خاک چھانی اور جنگلوں ، بیابانوں کی کٹھن مسافتوں کو طے کیا ۔

مرشد کی تلاش کے راستوں میں سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کئی مجذوبوں ، درویشوں اور فقیروں سے ملے ۔ لیکن نگاہ کی کسوٹی پر کوئی بھی پورا نہ اترا ۔ البتہ مختلف فقراء سے انہوں نے بغداد کے شاہ حبیب اللہ قادری کا تذکرہ جگہ جگہ سنا اور دل میں بغداد جانے کا شوق بڑھتا گیا ۔ آخر اسی شوق میں انہوں نے رخت سفر باندھا ۔ اور ہندوستان سے عراق تک اپنی زندگی کا سب سے طویل سفر کیا ۔ اور بغداد میں شاہ حبیب اللہ کی خانقاہ میں پہنچے ۔ خانقاہ درویشوں

زائروں اور خدام سے بھری ہوئی تھی۔ شاہ حبیب اللہ کا طریقہ تھا کہ وہ اپنی خانقاہ میں پانی کی ایک دیگ آگ پر ہر وقت گرم رکھتے تھے۔ اور جو بھی اس دیگ میں ہاتھ ڈالتا۔ وہ صاحبِ کشف ہو جاتا تھا۔ حضرت سلطان العارفین نے دیکھا کہ طالبین جوق در جوق، شوق در شوق اور موج در موج آ رہے ہیں اور شاہ حبیب اللہ کے اشارے پر باری باری دیگ میں ہاتھ ڈال رہے ہیں۔ سلطان العارفین ایک طرف بیٹھ کر بڑی خاموشی سے یہ منظر دیکھتے رہے۔ کچھ دیر بعد اچانک شاہ حبیب اللہ کی نظر اس پردیسی پر پڑی۔ اور سلطان باہو سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ کہیں دور سے آئے ہو۔ مگر علیحدہ کیوں بیٹھے ہو۔ اٹھو اور دیگ میں ہاتھ ڈال کر اپنی مراد حاصل کر لو۔ سلطان العارفین اُٹھ کر آپ کے قریب گئے۔ اور عرض کی قبلہ میری مراد ایسی نہیں ہے جو اس طرح پوری ہو۔ کشف و کرامت کے یہ کھلونے مجھے متاثر نہیں کر سکتے۔ میں وہ پرندہ ہوں۔ جس کی پرواز سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر بھی پوری نہیں ہوتی۔ میرا شوق لاہوت کی بسیط فضا چاہتا ہے۔ میری انتہائی منزل وہ مقام ہے۔ جہاں ذاتِ حق کے سوا کوئی نہ ہو۔ شاہ حبیب اللہ چونک پڑے کہنے لگے۔ اے درویش بے شک تیری آرزو بلند ہے۔ مگر یہ جانتا ہے کہ بلند آرزو و مراحل کتنے سختی انگتے ہیں۔ سلطان العارفین نے بڑی جوانمردی سے کہا۔ قبلہ حکم دیجئے۔ شاہ حبیب اللہ نے کہا تو کچھ روز مجاہدہ کرو۔ فی الحال خانقاہ میں پانی بھرا کرو۔ انہوں نے ایک خادم کو اشارہ کیا۔ خادم نے ایک مشکیزہ لا کر سلطان باہو کے حوالے کر دیا۔ آپ نے مشکیزہ سنبھال لیا۔ اُسے پانی سے بھرا اور خالی حوض میں ڈال دیا۔ حاضرین نے حیرانی سے دیکھا کہ سلطان باہو کے پہلے ہی مشکیزہ سے حوض لبالب بھر گیا۔ صرف حوض ہی نہیں بلکہ خانقاہ کا صحن بھی بھیگنے لگا۔

شاہ حبیب اللہ نے تحمل کے ساتھ یہ ماجرا دیکھا اور اپنے قریب کھڑے مریدوں سے کہا یہ درویش کوئی مایۂ طلب معلوم نہیں ہوتا۔ انہوں نے سلطان العارفین کو اپنے قریب بلایا اور پوچھا کیا آزمائش کے لئے تیار ہے۔ سلطان باہو نے بلا تامل آمادگی ظاہر کر دی۔ شاہ حبیب اللہ نے سوال کیا۔ تیرے پاس دُنیا کا کچھ مال و متاع ہے۔ سُلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ہاں میں جواب دیا شاہ حبیب اللہ برجستہ بولے۔ فقر اور مال کا کیا میل۔ ایک میان [illegible] تلواریں' ایک دِل اور دو محبتیں یہ دو کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ اس کے بعد سلطان باہو گھر آئے اور سارا مال و متاع گھر سے باہر پھینک دیا اور دنیا سے بالکل بے خبر ہو کر ایک بار پھر شیخ حبیب اللہ کی خانقاہ میں پہنچ گئے۔ شیخ حبیب اللہ نے سلطان باہو کو سینے سے لگا کر کامل نظر سے آپ پر توجہ دی۔ ان کی توجّہ کے باعث سلطان باہو پر کچھ قلبی واردات ہوئیں۔ اس کے بعد شیخ نے پوچھا سلطان بتاؤ مراد پوری ہوئی کچھ مشاہدہ کیا۔ سلطان باہو نے دست بستہ عرض کی۔ یا شیخ جو مقامات مجھ پر اس وقت منکشف ہوتے ہیں۔ ان سے تو میں گہوارے ہی میں گزر چکا تھا۔ میری تمنّا اس سے سوا ہے۔ شیخ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ امتحان کے طور پر بیٹھے بیٹھے سلطان باہو کی نظروں سے اچانک اوجھل ہو گئے۔ سلطان باہو نے بھی دیر نہیں کی۔ آپ نے بھی پرواز کی اور شیخ حبیب اللہ کا تعاقب کرتے کرتے ایک کھیت میں جا پہنچے وہاں انہوں نے ایک ضعیف کاشتکار کو دیکھا۔ کاشتکار بیلوں کی جوڑی لئے ہوئے ہل چلانے میں مصروف تھا۔ سلطان باہو نے ایک خرقہ پوش کا رُوپ دھارا اور کاشتکار کے پاس جا کر کہا۔ بابا یہ ضعیفی اور اتنی مشقت مجھے ترس آرہا ہے۔ آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں۔ جائیے آپ آرام کیجئے اور ہل مجھے دیجئے۔

ضعیف کاشت کار کے روپ میں دراصل شیخ حبیب اللہ ہی چلا رہے تھے۔ وہ سلطان باہو کی یہ پیشکش سُن کر ہنس دیئے۔ اور دوبارہ اپنی اصل صورت میں لوٹ آئے۔ پھر وہ دونوں ایک ساتھ وہاں سے واپس ہوئے۔ لیکن واپسی کا فاصلہ ابھی صرف چند قدم طے ہوا ہوگا۔ کہ شیخ حبیب اللہ چلتے چلتے پھر کہیں غائب ہو گئے۔ سلطان باہو نے بھی ان کی پیروی کی اور پیروی کرتے ہوئے ہندوؤں کی ایک دور دراز آبادی میں پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے ایک بوڑھے برہمن کو دیکھا۔ برہمن کے ہاتھ میں زعفران اور رنگ سے بھرا ہوا ایک برتن تھا اور وہ بازار سے گزرنے والوں کے ماتھوں پر تلک لگا رہا تھا۔ سلطان باہو نے بھی ایک نوجوان کی ہیئت اختیار کرلی اور جب برہمن ان کے قریب سے گزرا تو اس کے سامنے پہنچ کر کہا بابا میرا ماتھا بھی خالی ہے۔ دوسرے ہی لمحے سلطان باہو کے سامنے برہمن کے بجائے شیخ حبیب اللہ کھڑے مسکرا رہے تھے۔

انھوں نے سلطان باہو کا ہاتھ تھام لیا اور آگے بڑھ گئے اور صرف چند قدم چلنے کے بعد وہ تیسری بار کہیں غائب ہو گئے۔ اس بار ان کے غائب ہونے کی رفتار خاصی تیز تھی۔ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سرعت سے ان کا تعاقب کرتے ہوئے ایک مسجد میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک بوڑھا استاد بچوں کو قرآن مجید پڑھا رہا تھا۔ حضرت سلطان العارفین نے خود کو ایک بچے کی حالت میں تبدیل کیا اور ہاتھ میں قاعدہ لے کر استاد کے پاس پہنچے اور دوزانو بیٹھ گئے۔ پھر ایک حرف پر انگلی رکھ کر پوچھنے لگے۔ بابا یہ کیا ہے۔ اس بار شیخ نہ مسکرائے نہ ہنسے بلکہ انھوں نے آب دیدہ ہو کر سلطان باہو کو سینے سے لگا لیا۔ اور بولے بس بس بہت ہو چکا۔ سلطان باہو نے قاعدے کے حرف سے انگلی نہیں ہٹائی تھی کہ آپ نے دوبارہ پوچھا بابا یہ کیا ہے شیخ حبیب اللہ بولے بھلا میں تجھے کیا بتا سکتا ہوں کہ یہ کیا ہے اور وہ کیا ہے۔ سلطان تو میرے بس کا نہیں ہے

دونوں خانقاہ لوٹے۔ یہاں آکر شیخ حبیب اللہ نے سلطان باہو سے کہا۔ برادر تو جس نعمت کا مستحق ہے۔ وہ میرے امکان میں نہیں ہے۔ ہاں میرے شیخ عبدالرحمان قادری کی خدمت میں جاؤ وہ ہند کے مشہور شہر دہلی میں موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ تیرا حصہ وہیں ہے۔

دہلی میں شیخ عبدالرحمان قادری کی خانقاہ کا گوشہ گوشہ درود وظائف سے گونج رہا تھا۔ فرداً فرداً بھی عبادت میں مصروف تھے اور اجتماعی طور پر بھی شیخ عبدالرحمان ایک کونے میں بیٹھے ہوئے مراقبہ کر رہے تھے۔ چند مرید اور خدام ان کے دائیں بائیں ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ یکایک شیخ نے مراقبہ ختم کیا۔ آنکھیں کھولیں اور اپنے خاص خادم سے مخاطب ہوئے کہ دیکھو جلدی کرو۔ اور باہر دوڑو کچھ فاصلے پر پہنچ کر تمہیں سفر کی گرد میں اٹا ہوا، ایک گریبان چاک شکستہ حال درویش نظر آئے گا۔ جلد از جلد اس کے پاس پہنچو اور اسے مکمل عزت و احترام سے یہاں لے آؤ۔ وہ ہمارا باہو ہے۔ خادم ارشاد کی تعمیل باہر نکلا اور اپنی پوری رفتار سے دوڑتا ہوا اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ آرہے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر سلطان باہو کے پاؤں چھوئے اور احتراماً ان سے ایک قدم پیچھے ہو کر خانقاہ کے راستے کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت ادھر چلنا ہے خادم کی معیت میں سلطان باہو شیخ عبدالرحمان کے رُوبرُو ہوگئے۔ تو شیخ فوراً ان کا ہاتھ تھام کر علیحدگی میں لے گئے اور پھر کسی قیل و قال کے بغیر ہی سلطان باہو کو وہ نعمت حاصل ہو گئی۔ جس کی تلاش میں وہ پہلے دن سے چلے تھے۔ شیخ عبدالرحمان نے اسی وقت آپ کو واپس کر دیا سلطان باہو سرشاری و سرمستی کے عالم میں خانقاہ سے نکلے اور مختلف بازاروں سے گزرتے ہوئے ہر خاص و عام پر توجہ دیتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ جس پر

بھی ان کی توجہ ہو جاتی وہ ایک دم بے خود و بے حال ہو جاتا۔ اس کے بعد سلطان باہو چلتے چلتے جامع مسجد پہنچ گئے۔ جمعہ کا روز تھا۔ ہر طرف سر ہی سر نظر آ رہے تھے رعایا کے علاوہ بادشاہ بھی سلطنت کے دیگر ارکان کے ساتھ بنفس نفیس موجود تھا۔ بھیڑ کی وجہ سے سلطان باہو کو وہاں جگہ ملی جہاں نمازیوں کے جوتے رکھے ہوئے تھے۔ سلطان باہو وہیں بیٹھ گئے۔ اور جب نماز ختم ہوئی تو انہوں نے یک وقت پورے مجمع پر توجہ کی کہ جامع مسجد یا حق یا حق کے نعروں سے گونجنے لگی۔ لوگ مسلسل وجد کے عالم میں یا حق یا حق کی صدائیں لگا رہے تھے۔ معمولی سے معمولی شخص پر جذب و حال کی کیفیت طاری تھی۔ لیکن بادشاہ، قاضی اور کوتوال اس کیفیت سے محروم رہے۔ پھر جب سلطان باہو نے توجہ منقطع کی اور مجمع کی حالت معمول پر آئی تو بادشاہ، قاضی اور کوتوال نے سلطان کے قریب جا کر پوچھا ہمارا کیا قصور رہے کہ ہم اس نعمت سے محروم رکھے گئے ہیں۔ حضرت سلطان العارفین نے فرمایا ہم نے تو سب پر یکساں توجہ کی تھی مگر تم تینوں پر اثر نہیں ہوا۔ یہ بارش کا قصور نہیں ہے۔ کیونکہ باغ میں پھول اگتے ہیں اور جنگل میں کانٹے۔ اصل میں تمہارے دل سخت ہو چکے ہیں۔ آخر انہوں نے سر جھکا کر دست بستہ استدعا کی کہ ہمیں فیض کی لذت سے محروم نہ رکھیئے۔ سلطان باہو نے ان کی استدعا قبول کرتے ہوئے بادشاہ سے کہا ہماری دو شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ تو اور تیری اولاد ہمارے اور ہماری اولاد کے لئے مال و متاع کی رعایت کبھی نہ کرے۔ دوسری یہ کہ تیری اولاد ہمارے مکانوں پر کبھی نہ آئے۔ بادشاہ نے اقرار کر لیا۔ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے اور اس کے ساتھیوں کو خاص توجہ سے فیض یاب کیا۔ پھر آپ بازاروں میں نکلے اور راہ گیروں پر توجہ صرف کرنے لگے۔ اس صورت حال سے شہر میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ خلقت کے انبوہ سے راستے بند ہونے لگے۔ کسی نے دوڑ کر شیخ عبدالرحمان

کو یہ خبر پہنچائی کہ ایک ولی اللہ نے دِلّی کے بے شمار لوگوں کو وجد و حال میں مبتلا کر رکھا ہے۔

شیخ عبدالرحمان نے اطمینان سے کہا جاکر دریافت کرو کون ہے۔ کہاں سے آیا ہے۔ کس خاندان اور کس سلسلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ شیخ کے خُدّام گئے۔ اور دیکھا کہ یہ تو سلطان باہُو ہیں۔ واپس شیخ کے پاس پہنچے عرض کی سرکار وہی درویش ہے۔ جسے آج آپ نے فیض بخشا تھا۔ شیخ عبدالرحمان نے حکم دیا۔ اُسے فوراً یہاں لے آؤ۔ اس طرح سلطان باہُو رحمۃ اللہ علیہ دوسری بار شیخ کے پاس پہنچے۔ شیخ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا۔ باہو کیا ہم نے تجھے یہ نعمت اس لئے دی تھی کہ تو اُسے عام کرتا پھرے۔ سُلطان باہو نے ادب سے کہا۔ قبلہ عورت جب بازار سے کوئی برتن خریدتی ہے تو اسے ٹھونک بجا کر دیکھتی ہے کہ کیسا ہے۔ شیخ عبدالرحمان نے تبسم فرمایا اور کہنے لگے میں منع نہیں کرتا یہ نعمت اسی لئے ہے کہ عام کی جائے۔ لیکن اسے اتنا بھی سستا نہ کر۔ یہ بوجھ ہر کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ یہ کہہ کر انھوں نے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ پر مزید توجہ دی اور انہیں وطن واپس جاکر رشد و ہدایت کی محفل سجانے کا حکم دیا۔ اور پھر سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے شورکوٹ پہنچ کر زور و شور سے تلقین و تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ (سیر الاخیار ص ۵۸)

میکدہ سے منگائی جاتی ہے — سینوں میں چھپائی جاتی ہے
توحید کے مے پیالوں سے نہیں — نظروں سے پلائی جاتی ہے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگانِ دین و اولیاءِ عظام کے نقشِ قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مرنے کے بعد زندہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمِ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمِ

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عقیدت و محبت کے ساتھ ہدیہ درود و سلام پیش کریں۔